قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا

بے شک فلاح پائی جس نے نفس کا تزکیہ کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا

تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق

یعنی

(نوع انسانی کے لئے خداوندی ضابطہ حیات اور دستور زندگی)

مرتبہ

مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی

ناشر

مکتبہ برہان۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

طبع اوّل

ایک ہزار

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق نومبر ۱۹۷۱ء

مطبوعہ

یونین پرنٹنگ پریس - دہلی ۶

تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق

الحمد للہ الذی ھدٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی والعاقبۃ للمتقی

یہ امر مسلمات۔ بدیہیات بلکہ مشاہدات سے ہے کہ نفس کی پاکیزگی اور اخلاق کی درستی ہی کے بعد انسان انسان بنتا ہے۔ اگر کسی شخص کے اخلاق وعادات خراب وخستہ ہوں اس کا نفس گندہ وپراگندہ ہو تو کوئی ذی عقل و ہوش بھی اس کو انسان نہ کہے گا بلکہ اس وقت وہ ایسا حیوان ناطق ہے جو موذی جانوروں سے بھی زیادہ بدتر اور ابتر ہے اور انتہائی خطرناک ہے چنانچہ مشہور ہے کہ "مار بد بہ از یار بد"

اخلاق وعادات کی اصلاح و درستی سراسر نفس کے تزکیہ وتربیت سے وابستہ ہے۔ جب تک نفس کا تزکیہ اور اس کی صحیح تربیت نہ ہوگی انسانی اخلاق کبھی راہ راست پر آکر حد اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتے کیوں کہ اس جسم انسانی اور گوشت وپوست کا نام انسان نہیں ہے انسان درحقیقت اسی نفس امارہ کا نام ہے جو اس کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے یا بدی اور برائی کی طرف کھینچتا ہے جس کا اصل مادہ ہی طغیان وسرکشی ہے اطاعت وفرمانبرداری تزکیہ وتربیت

ہی کے بعد اختیار کرتا ہے۔ جب وحشی جانور تک تہذیب و تربیت کے بعد انسانوں کے مطیع و منقاد بن جاتے ہیں اور انسانی ضرورتوں کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان تہذیب و تربیت کے بعد صحیح معنی میں انسان نہ بن سکے اور اپنے ابناء جنس کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت نہ ہو۔ غرض انسانی فلاح و صلاح اور عروج و کمال سراسر تزکیہ نفس سے وابستہ ہے اور ساری خرابی و بربادی نفس کی گندگی و پراگندی سے وابستہ ہے ارشاد خداوندی ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا

بیشک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو پاکیزہ کرلیا اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے اس کو خاک میں ملا دیا۔

جس طرح سرکش و جوش کی تہذیب و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کو رفتہ رفتہ مالک اور آقا کا مطیع و منقاد بنا دیا جائے۔ اسی طرح سرکش نفوس کی تہذیب و تربیت کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ان کو رفتہ رفتہ اپنے مالک اور آقا عزاسمہٗ وجل سلطانہ کا مطیع و منقاد بنا دیا جائے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کی .... کر رہا ہے اسی لئے قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بار بار دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ نفس انسانی سرکشی و طغیانی سے باز آسکتا ہے اور نہ انسانی زندگی کبھی راہ راست پر مستقیم قائم رہ سکتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ

اے ایمان والو اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو

تَسْمَعُوْنَ۔ — تم اس سے اگر تم سن رہے ہو۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ — اور اطاعت کرو تم اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ — اطاعت کرو تم اللہ اور رسول کی اگر تم مومن ہو۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ یَخْشَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ — اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس کا خوف رکھا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اسی اطاعت و انقیاد کا نام اسلام و ایمان ہے جس سے انسان کی فوز و فلاح وابستہ ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ — اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اسکے رسول کی تو وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی۔

اور اس اطاعت و انقیاد سے انحراف و روگردانی سراسر کفر و طغیان ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ — اے محمد کہہ دو کہ اطاعت کرو تم اللہ اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔

پس کفر و ایمان کا دارومدار اللہ اور رسول کی اطاعت و انقیاد پر ہے جو شخص اللہ اور رسول کا مطیع و منقاد نہیں ہے وہ سراسر باغی اور کافر ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا مطیع و منقاد ہے وہ سچا مومن اور مسلمان ہے۔ یہ امر اس عالم شال

—— میں بھی بخوبی مشاہدہ کیا جاتا ہے کسی ملک معظم اور اس کے فرستادہ پیغامبروں اور مقرر کردہ حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری بعینہ اس حکومت کی وفاداری شمار ہوتا ہے جس سے نظم و ضبط سلطنت قائم رہتا ہے اور اس ملک معظم اور اسکے فرستادہ پیغامبروں اور مقرر کردہ حاکموں کی اطاعت اور فرمانبرداری سے اعراض و انحراف اس حکومت سے بغاوت و سرکشی شمار ہوتا ہے جس سے تمام نظم و ضبط سلطنت درہم برہم ہو جاتا ہے اور سخت ترین جرم ہے اللہ رب العالمین اپنے رسولوں کو بھیجتے اسی لئے ہیں تاکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے تاکہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے۔

پھر اس رسول کی اطاعت بھی بعینہ خالق اور مالک کی اطاعت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

اور جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔

اسی اطاعت و انقیاد کا نام "عبادت" ہے جو انبیاء اور رسولوں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصود ہے۔ ارشاد باری ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسکی جانب یہ وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو۔

پروردگار عالم خالق کائنات قادر مطلق نے اس تمام کائنات اور موجودات کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً	وہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔

ے ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ٭ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور انسان کو اپنی عبادت و اطاعت کے لئے پیدا فرمایا ہے جو اس کی اشرف مخلوقات ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔	اور نہیں پیدا کیا ہم نے جن و بشر کو مگر اس لیے تاکہ وہ میری عبادت کریں

اگر انسان خداوند عالم کی عبادت اور اطاعت کے لیے نہیں ہے تو کیا وہ اشرف مخلوقات ہونے کے باوجود محض معطل و بے کار شے ہے۔ کیوں کہ ہر شی اس سے مستغنی ہے اور یہ ہر شے کا محتاج ہے۔ وہ ذات یکتا مستغنی اور بے نیاز ہے کسی کی بھی محتاج نہیں ہے۔ یہ عبادت و اطاعت کے طور و طریق بھی محض اس لیے مقرر فرمائے تاکہ ان کے ذریعہ نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہو کر اس کی اندرونی صلاحیتیں نمایاں ہوجائیں اور وہ اس عروج و کمال کے مقام پر پہنچ جائے جو اس کی خلقت کا مقصود ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات بخوبی ذہن میں آگئی ہوگی کہ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی کیوں ضرورت ہے اور اس کی اصل صحیح صورت کیا ہے؟

انسان کا تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اگر ہو سکتا ہے تو صرف انہی طریقوں سے ہو سکتا ہے جو اس کے خالق اور پروردگار کی جانب سے بتائے گئے ہیں۔

وہی بخوبی جانتا ہے کہ انسان میں کیا خوبیاں اور کمالات ہیں جن کو بروئے کار لایا جائے اور کیا خرابیاں اور گندگیاں ہیں جن سے اس کو پاک و صاف کیا جائے۔ مشین کو بنانے والا ہی بخوبی جان سکتا ہے کہ یہ مشین زیادہ مفید اور کارآمد کس طرح ہو سکتی ہے اور بگاڑ کے بعد اس کے اصلاح کی کیا صورت ہے؟ تزکیہ کے معنی ہیں پاک و صاف کرنا گندگی اور خرابی کو اندرون سے نکال دینا۔ اب کپڑے پر اگر گندگی لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک و صاف کیا جا سکتا ہے اسی طرح گھر اور مکان کی گندگی کو جھاڑ دے کر پاک و صاف کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہری گندگی اور خرابی ہے جس کو ہر شخص محسوس بھی کرتا ہے اور اس کے ازالہ کو ضروری بھی سمجھتا ہے اور جو شخص اس ظاہری گندگی کو بھی محسوس نہیں کرتا اور اس کے ازالہ کو ضروری نہیں سمجھتا وہ انسانیت سے بالکل ہی گرا ہوا ہے لیکن نفس انسانی کی گندگی اور خرابی ایک باطنی امر اور اندرونی روگ ہے جس کا نہ ہر شخص احساس کر سکتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس لیے ایسے عارف حکیم کی ضرورت ہے جو اندرونی اسرار سے آگاہ ہو۔ اور طبیب حاذق کی طرح تمام اندرونی بیماریوں اور خرابیوں کا معالجہ کرے جس طرح جسمانی امراض کے ازالہ کے لیے طبیبوں اور ڈاکٹروں کا وجود ضروری ہے اسی طرح نفسانی امراض کے ازالہ کے لیے عارفوں روحانی حکماء کا وجود بھی ناگزیر امر ہے پھر گندگی اور خرابی۔ کی بھی دو نوع ہیں۔

ایک وہ جن کو ہم گندگی اور خرابی سمجھتے ہیں اور ان سے پاک و صاف رہنے کی طبعاً کوشش کرتے ہیں۔ جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اشیاء۔ کہ

ان سے خود سلیم الطبع انسان کی طبیعت کراہت کرتی ہے اور اس کے ازالہ کی کوشش کرتی ہے۔

دوسرے اس قسم کی اشیاء جن کی گندگی اور خرابی کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے ہم اس کو اسی وقت گندگی اور خرابی سمجھیں گے جب ہمیں اس سے آگاہ کیا جائے گا۔ جیسے منی خارج ہونے سے بدن کا غلیظ و ناپاک ہونا اور حیض ونفاس سے بدن کا غلیظ و ناپاک ہونا۔ شراب کا ناپاک ہونا وغیرہ۔ یہ ہمیں اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ہمیں اس کی اصل حقیقت سے کوئی عارف و واقف آگاہ کرے گا۔

اس دوسری نوع کا علم تو بغیر بتلائے حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن پہلی نوع کی گندگی اور خرابی بھی بسا اوقات رسم و رواج اور عادات کی خرابی کی وجہ سے ملتبس ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہر حال میں ایسے واقف و عارف کی ضرورت ہو گی جو اس گندگی اور خرابی سے ہمیں بخوبی آگاہ کرے اور اس سے پاک و صاف کرے۔ یہ دونوں نوع کی نجاست و غلاظت ظاہری نجاست اور غلاظت ہے خواہ طبیعت نے اس کا ادراک کیا ہو یا صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام کے بتانے سے ہمیں اس کا علم ہوا ہو۔ اور ان نجاستوں سے پاک و صاف ہونا ظاہری پاکی صفائی ہے۔ اور ظاہری پاکی اور صفائی کا اثر زیادہ تر ظاہر ہی پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس ظاہری پاکی سے باطن بھی ضرور متاثر ہوتا ہے اور ظاہری پاکی سے بھی فی الجملہ نفس کی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی ہوتی ہے چنانچہ امام غزالی نے اس کی تصریح کی ہے اور مشاہدہ

سے اس کو ثابت بھی فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں دیکھو جب انسان جنابت سے غسل کرتا ہے یا بے وضو آدمی وضو کرتا ہے تو باطن میں ایک ایسا انشراح اور شگفتگی پاتا ہے جو پہلے نہ تھی۔ پہلے باطن میں ایک خاص حالت ہوتی ہے، جو نہ نور ہے اور نہ ظلمت ایک ضو کی سی کیفیت ہے اور غسل یا وضو کے بعد ایک خاص قسم کی نورانیت اور شگفتگی و تازگی محسوس ہوتی ہے۔ اور ساری نحوست و کدورت دور ہو جاتی ہے جو پہلے سے اندرون میں طاری تھی۔

یہ نورانیت اور بشاشت وضو ہی کا اثر ہے کیوں کہ ظاہری پاکیزگی بھی نفس کی پاکیزگی پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے اسی لئے وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے اور مزید انشراح اور بشاشت کا باعث ہے اور وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ جو اس کی برے اثرات سے حفاظت کرتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو لازمی طور پر اس کے برے اثرات قلب پر بھی پڑتے ہیں چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرلے تو وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور اگر پھر گناہ کیا تو ایک اور دھبہ سیاہ لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے وہ سیاہی تمام قلب کو محیط ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ "وضو سے گناہ دھلتے ہیں"۔ یعنی گناہوں کے باطنی اثرات کا ازالہ ہوتا ہے۔

پس جب قلبی قساوت و کدورت گناہوں کی وجہ سے تھی اور وضو سے

گناہ دھل گئے اور اس کے اثرات زائل یا کم ہو گئے تو لازمی طور پر قلب میں نورانیت و بشاشت محسوس ہوگی۔ یہ فرق بے نماز گنہگار شخص اور نمازی متقی پرہیزگار شخص کی صورتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جس طرح ظاہر کے اثرات باطن پر پڑتے ہیں اسی طرح باطن کے حالات بھی ظاہر سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پہچاننے والے بے تکلف متقی اور مجرم کو صورت سے پہچان لیتے ہیں۔

ان کے علاوہ بکثرت باطنی خرابیاں بھی ہیں جو باطن سے ہوتی ہیں اور باطن پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو امراض قلوب سے واقف ہیں اور وہی ان کا مداوا اور معالجہ بھی کر سکتے ہیں جو روحانی طبیب ہیں۔

یہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم کی مقدس برگزیدہ جماعت ہے جو اسی لئے بھیجی جاتی ہے تاکہ ہدایت ربانی کے موافق انسانی زندگی سے بگاڑ و فساد کا ازالہ کر کے نوع انسانی زندگی کو بندگی کی صراط مستقیم پر استوار قائم کر دے۔ وہ ہدایات ربانی اور اوامر و احکام خداوندی مخلوق خدا تک پہنچاتے ہیں تاکہ مخلوق خدا ان سے آراستہ و پیراستہ ہو کر دربار خداوندی کی حاضری اور حضوری کے شایان ہو جائے۔ جو ہدایات اور اوامر و احکام ان پیغمبروں کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں وہی شریعت الٰہیہ اور دستور خداوندی ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کے حسب حال ہوتا ہے۔ آخری جامع مکمل شریعت الٰہیہ جو تمام سابقہ شرائع الٰہیہ کی اصولی تعلیمات اور عمدہ اعمال و افعال پر مشتمل ہے نبی آخر زمان سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ ہے جو تمام انسانوں کے لئے ہے اور آخر تک کے لئے ہے کسی خاص زمانہ یا ملک اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے انتہائی معتدل ہے فطرت انسانی کی صحیح ترجمان ہے اور تمام انسانوں اور زمانوں اور ملکوں کے حسب حال اور مناسب مقام ہے نہ اس میں تغیر و تبدیل کی گنجایش ہے اور نہ اس میں ترمیم و اضافہ کی کسی کو مجال ہے اور یہی آخری دین الٰہی اور دستور خداوندی ہے جس سے کوئی ایک متنفس بھی سر مو انحراف کا مجاز نہیں ہے۔

اس کی جامعیت تکمیل اور اعتدال کی وجہ سے اب جو بھی مخلوق خدا کی رہنمائی ہوگی وہ اسی دستور خداوندی کے ماتحت ہوگی اس سے اعراض و انحراف خدا کی خدائی۔ عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و انحراف ہے۔ تمام نفوس انسانی کو اسی آخری شریعت الٰہیہ اور دستور خداوندی کا پابند بنانا ہے تاکہ سرکش نفوس خدائی احکام کے پابند ہو کر ہر طرح ان کا تزکیہ ہو جائے۔

اب یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ نفس انسانی کے تزکیہ اور تطہیر کے لئے اس کا پابند ہونا ضروری اور لابدی امر ہے اور پابندی بھی وہی معتبر اور مفید و کارآمد ہو سکتی ہے جو خدائی احکام اور خدائی فرامین کے ماتحت ہو کیوں کہ وہ رضائے الٰہی کے موافق ہے اس کے علاوہ دیگر قوانین اور تجاویز کے ذریعہ نفوس انسانی کو پابند بنانا نہ رضائے الٰہی کا باعث ہو سکتا ہے اور نہ نفس سرکش ان قوانین و تجاویز کے ذریعہ مطیع و منقاد ہو سکتا ہے۔ یہ تو نفس امارہ کی عین خوشی

ہے کہ وہ خدائی قانون سے آزاد ہو کر اغراض و خواہشات کی پیروی اختیار کرے۔ جو خدا پرستی نہیں بلکہ اغیار پرستی اور اغراض پرستی ہے۔ اور ظلم عظیم ہے۔ یہ وہ مسلمہ بدیہی اصول ہے جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ عقلی اور فلسفی ہو یا مذہبی اور رواجی ہو کیوں کہ نفس انسانی کی پابندی کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ تمام ملکی قوانین اور ضوابط حیات معطل اور بے کار رہوں گے اور تمام مذاہب عبث اور بے کار رہوں گے اور تمام ضابطہائے زندگی بے سود قرار پائیں گے اور ان سے کوئی بھی ذی عقل و شعور انکار نہیں کر سکتا جب ملکی قوانین اور ضوابط حیات کے بغیر چارہ نہیں ہے تو خدائی دستور و قانون کی ضرورت، واہمیت اور حکمت و مصلحت سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے جو مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے اور اپنے بندوں پر سب سے زیادہ مشفق و مہربان ہے۔

لیکن اتنی بات لوگوں کی عقل میں نہیں آتی کہ ملکی قوانین جو روز بروز بنتے اور بگڑتے ہیں انسانی زندگی کو راہ راست پر کیوں قائم نہیں کرتے اور ان قوانین کے ہوتے ہوئے یہ شر و فساد اور جبر و استبداد روز افزوں کیوں ہے؟

اگر غور اور تامل سے کام لیا جائے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خداوند عالم کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہٹا کر انسانوں کو انسانوں کا مطیع و منقاد بنانے کی سعی لاحاصل کی جا رہی ہے جو فطرت انسانی کے سراسر خلاف ہے اور سراسر ظلم ہے اور انسانی شرف کے بالکل خلاف ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایک دور[1] ایسا بھی

---

[1] یعنی صحابہ کرام کا دور جو تاریخ عالم میں بلاشک خیر القرون ہے۔

گذرا ہے جس میں روئے زمین سے شر و فسادات جبر و استبداد کا قریب قریب خاتمہ ہو گیا تھا اور عدل و انصاف انسانی مساوات کا دور قائم ہو گیا تھا۔ یہ زرین اور مثالی دور وہی زمانہ ہے جب سب انسان شریعت اسلامیہ کے پابند تھے کسی امیر و غریب۔ حاکم و محکوم۔ آقا و غلام۔ اسود و ابیض کا فرق و امتیاز نہ تھا۔ ہر ایک خدائے واحد کا پرستار تھا اور اس کے احکامات و فرامین کا مطیع و منقاد تھا۔ اس عینی مشاہدہ کے بعد پھر اس کی صداقت و حقانیت کے لئے کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اوامر و احکام خداوندی کے مجموعہ کا نام شریعت اسلامیہ ہے اور اس کے اعتراف و اذعان کا نام اسلام و ایمان ہے۔

تو اب اسلام سے وہی لوگ اعراض و انحراف کر سکتے ہیں جن کی عقلوں پر فتور ہے اور قلوب میں شقاوت و قساوت بھری ہوئی ہے جس سے تزکیہ و صفائی بہر حال ضروری ہے ورنہ اس کے جراثیم تمام نوع انسانی میں پھیل کر سب کو برباد کریں گے۔ شریعت اسلامیہ کا پابند بنانے میں تمام نوع انسانی کی ہمدردی و خیر خواہی ہے۔ ساری ہی انسانی برادری سرکشی و طغیانی نفس پرستی و اغراض پرستی کے گرداب میں پھنسی ہوئی اور جہالت و نادانی۔ آزادی و آوارگی کے اس منتہائی مقام پر پہنچ چکی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور یہ کام وہی کر سکتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کی حقانیت و صداقت کو قبول کئے ہوئے ہیں۔

سرکش نفوس کی اصلاح و درستی کے لئے شریعت الٰہیہ کی پابندی تو ناگزیر تھی۔ لیکن یہ پروردگار عالم خالق کائنات عزاسمہ وجل سلطانہ کا اپنے بندوں پر خصوصی انعام واکرام ہے کہ بندوں کو ان ہی امور سے روکا گیا ہے جو ان کے لئے انتہائی مضرت رساں تھے اور۔ ان ہی امور کی پابندی کا حکم فرمایا گیا ہے۔ جو انسانی نظافت و پاکیزگی اور آیندہ عروج و ترقی کے لئے ناگزیر ضروری امور تھے۔ اگر ہر ہر حکم خداوندی اور ہدایت ربانی اور فرمان الٰہی کے حکم اور مصالح کو بیان کیا جائے تو یہ بشری طاقت سے باہر ہے۔ کیوں کہ جب موجودات اور محسوسات کے بھی پورے فوائد اور منافع کے ادراک سے انسانی عقول قاصر اور عاجز ہیں۔ ایک ایک شے کی تحقیقات میں فلاسفروں اور حکیموں کی عمریں صرف ہوگئیں اور ہنوز تحقیقات نامکمل و ناتمام ہیں تو ادھر خداوندی کے فوائد اور منافع کے ادراک تک انسانی عقول کی رسائی کس طرح ہوسکتی ہے جو سراسر نورانی اور روحانی ہیں عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔

انسانی روح عالم امر سے ہے۔ قل الروح من امر ربی (کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے) جب اس امر ربانی کا جو ہر وقت کا جسم کا ساتھی ہے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا ہے ادراک نہیں ہوسکتا اور نہ آج تک عقلاء زمانہ ادراک کرسکے تو پھر ان بے شمار اوامر خداوندی کا ادراک شعور کس طرح ہوسکتا ہے۔ جن کے حقائق بالکل نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اب صرف وہی نفوس قدسیہ ان کا ادراک کرسکتے ہیں جو حقائق شناس ہیں اور ان کو ان حقائق سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جب انسانی عقل عالم خلق کی تحقیقات بھی مکمل نہیں کرسکی تو وہ عالم امر میں کیا درک دے سکتی ہے۔ اس لئے اس وقت صرف فرض عبادات کی بعض

حکم و مصالح کو بیان کیا جاتا ہے جن کا اہل بصیرت اور حقیقت شناس قلوب نے احساس و ادراک کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسانی تزکیہ اور تربیت کی اس سے اعلیٰ صورت عقلاً بھی مقصود نہیں ہے اور نہ ان کے بغیر نفوس انسانی میں تازگی اور پاکیزگی آسکتی ہے۔

اہم ترین فرض عبادت پانچ ہیں:

(۱) کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان۔ (۲) پانچ وقت کی نماز۔ (۳) رمضان شریف کے روزے۔ (۴) مال کی زکوۃ۔ (۵) بیت اللہ الحرام کا عمر بھر میں ایک بار حج۔

اسلام کی خوشنما مستحکم تعمیر ان ہی پانچ عبادتوں پر قائم اور استوار ہے اور یہ پانچوں امور اس کے مضبوط اور مستحکم ستون ہیں اسی لئے ان کو ارکان اسلام کہتے ہیں ان میں سے جو ستون بھی کمزور ہو جائے گا اسی قدر اسلامی قلعہ میں کمزوری واقع ہو گی۔ اگر سارے ستون کمزور ہو جائیں گے تو سارا قلعہ کمزور ہو جائے گا۔

اصل اسلام و ایمان تو اللہ اور اس کے رسول کے اوامر و احکام کا اذعان و یقین اور اطاعت و انقیاد ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو حاوی ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اللہ اور رسول کی جانب سے صحیح ہدایات اور اصولی تعلیمات نہ بتلادی گئی ہوں جن کی تعمیل و بجاآوری عبادت و بندگی ہے۔ اس طرح انسانی پوری زندگی کو بندگی کے سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہے۔

لیکن اس ملکہ کا حصول ان امور کی استقامت اور استحکام پر موقوف ہے جو ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں۔ اس وقت ان ہی پانچ ارکان کی نسبت کچھ لکھنا ہے کیوں کہ انسانی نجات و فلاح انہی سے وابستہ ہے۔

"پہلا رکن کلمۂ شہادت کا اقرار و اعلان"

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یعنی میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت و اطاعت کے لائق نہیں ہے وہ اپنی ذات و صفات میں ایک اور یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ مقبول بندہ ہیں اور اس کے فرستادہ پیغمبر اور رسول ہیں۔

اس شہادت اور اقرار و اعلان کے بعد انسان مومن اور مسلمان بن جاتا ہے اور طغیانی و سرکشی کے زمرہ سے نکل کر اسلام و انقیاد کے قلعہ میں آجاتا ہے۔ دائمی ابدی عذاب جہنم سے خلاصی پالیتا ہے اور دخول جنت اس کے لئے قطعی یقینی ہو جاتا ہے کیوں کہ اس نے سرکشی اور طغیانی کی روش کو چھوڑ کر اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کرلی ہے اور اپنے نفس سرکش کو کفر و شرک کی گندگی و غلاظت و خباثت سے پاک و صاف کر کے اطاعت و انقیاد کے جذبہ سے معمور اور آراستہ کر لیا ہے اسی لئے اس کی سابقہ تمام سرکشی اور عناد و طغیانی کالعدم اور معدوم ہو گئی۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے۔

اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا قَبْلَہٗ اسلام تمام سابقہ سرکشی کو منہدم کر دیتا ہے۔

یعنی اس کی سابقہ طغیانی و سرکشی قابل گرفت نہیں اب یہ وفا شعار بندوں میں داخل ہے حزب مخالف سے نہیں ہے بلکہ حزب اللہ میں شامل ہو گیا ہے۔ ناری نہیں نوری بن گیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک انقلابی کلمہ ہے جو انسانی زندگی کی بالکل کایا پلٹ کر دیتا ہے اور باطن کو اس قدر پاکیزہ صاف و ستھرا کر دیتا ہے کہ اس میں غیر اللہ کی گنجائش نہیں رہتی سارا تعلق خاطر ایک اللہ رب العزت سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ کے دو جزء ہیں جن کا مفہوم سمجھنے پر اس کلمہ کی حقیقت سمجھنا موقوف ہے پہلا جزء اللہ رب العالمین کی معبودیت ربوبیت اور وحدانیت کا اعتراف و اقرار ہے۔ اللہ وہ ذات بے چون و چگون ہے جو تمام صفات کمال سے بالذات متصف ہے اور ہر نقص و عیب سے منزہ اور پاک ہے اور اپنی ذات و صفات میں ایک اور یکتا ہے کوئی اس کا شریک و ہمسر اور معین و مددگار نہیں ہے۔

آسمانوں اور زمینوں اور کل کائنات کا خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی خالق اور مالک وہی ہے اور وہی ہر ایک کی اس کے حسب حال تربیت فرما رہا ہے اور تمام تدبیرات اور تصرفات تنہا اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی لئے عبادت اور اطاعت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ذات ہے ساری عظمت و کبریائی صرف اسی کے لئے ہے جس کی شان کبریائی یہ ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ ھُوَ الْحَیُّ اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔

نہیں ہے زندہ ہے سب کو سنبھالنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آسکتی ہے اور نیند اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کون شخص ہے جو اس کے سامنے بلا اس کی اجازت کے سفارش کرسکے وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ اس کے علم میں صرف اسی کا احاطہ کرسکتے ہیں جس قدر کہ وہ چاہے اس کی کرسی تمام آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے اور اسکو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی اور وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے۔

جس کی یہ شان نہیں وہ معبودیت اور خدائی کے بھی لائق نہیں ہے۔ نہ اس کی کسی طرح عبادت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو خدائی کا مرتبہ دیا جاسکتا ہے اور وہ ذات صرف ایک ہے جو یکتا ہے ہر ماسوائے مستغنی و بے نیاز ہے ہر جنسی تعلق سے منزہ ہے اسکے مثل کوئی نہیں ہے۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

اے محمد کہہ دو کہ اللہ یکتا ہے اور اللہ ہر چیز کا بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے اور نہیں اسکے مثل کوئی بھی

تمام صفات کمال بالذات اسی کے لئے ہیں اس لئے محبوب اور مطلوب اور مقصود بھی صرف وہی ایک ذات ہے اس کے سوا کوئی بھی محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ لہٰذا ہر محبت و تعلق اور ہر عظمت و کبریائی کا مستحق اور سزاوار وہی ہے۔ اور ہر اطاعت و فرمانبرداری صرف اسی ایک ذات وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہے اس اقرار و اعتراف کے بعد انسان کا ماسوا اللہ سے تعلق منقطع ہو کر ہر تعلق اس ذات وحدہ لاشریک لہ سے قائم ہو گیا جو سب سے بالا اور برتر ہے اور قادر مطلق ہے۔ اس کلمہ کا دوسرا جزء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عبدیت کا اعتراف و اقرار ہے آپ خداوند عالم کے محبوب اور مقبول بندہ بھی تھے۔ اور خداوند عالم کے فرستادہ رسول اور پیغمبر بھی تھے۔ رسالت کے اعتراف کا مقتضا یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت خداوند عالم کا بھیجا ہوا دستور بندگی اور آئین زندگی ہے جس سے سرمو انحراف نہ ہوگا۔ اور آپ کی بتلائی ہوئی سکھلائی ہوئی باتیں سب کی سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اپنی طبع زاد نہیں ہیں سب کے سب خدائی اوامر و احکام ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۔

اور نہیں بات کہتے وہ اپنی طرف سے بلکہ وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو انکی طرف بھیجی جاتی ہے۔

اس لئے لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جو بات آپ ان کو بتائیں اس کو قبول کریں اور جس بات سے آپ ان کو منع فرما دیں اس سے باز رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ

جو بات تم کو رسول بتائیں تم اس کو لے لو

عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اور جس بات سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو

اور آپ کی پوری زندگی کو مخلوق کے لئے عملی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ بیشک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ کی بقاء اور یوم آخرت کی سرخروئی کا امیدوار ہو۔

اس رسالت کے اعتراف واقرار سے آپ کی پوری شریعت اور آپ کی ہر بات کی حقانیت وصداقت اور من جانب اللہ ہونے کا اعتراف واقرار ہو گیا۔ اور انسانی زندگی سراسر دستور خداوندی اور آئین بندگی کی پابند ہو گئی۔

اور عبدیت کے اعتراف واقرار کا مقتضا یہ ہے کہ دیگر مذاہب والوں کی طرح آپ کی عظمت ومحبت میں افراط وغلو نہ کیا جائے اور بشریت کے دائرہ سے نکال کر آپ کو الوہیت کے مقام پر نہ پہنچایا جائے کیوں کہ دیگر مذاہب والے اسی لئے گمراہ ہوئے کہ انھوں نے فرط محبت اور غایت تعظیم میں اپنے مذہبی پیشواؤں کو جو ان کی طرح بشر ہی تھے خدائی مقام پر پہنچا دیا اور ان کو معبود قرار دے دیا۔ جو ان پر بھی بہتان عظیم ہے اور اپنے پر بھی ظلم عظیم ہے اور کھلا کفر وشرک ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔

اس عبدیت کے اعتراف میں اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ خدا کی خدائی اور عظمت وکبریائی کے بعد جو کچھ بھی برتری اور فوقیت ہے وہ عجز وانکساری کو حاصل ہے اور یہی مقام عبدیت ہے جو آپ کی امتیازی شان ہے۔ آپ کی رسالت ونبوت کے اعتراف واقرار کے بعد اللہ رب العالمین کی عبادت واطاعت کا

راستہ بھی متعین ہو گیا کہ خداوند عالم خالق کائنات عز اسمہ اور جل سلطانہ کی وہی عبادت واطاعت قابل پذیرائی اور لائق باریابی ہے جو آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بالکل مطابق ہو گی۔ ورنہ وہ عبادت وطاعت بے کار اور مردود ہو گی۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا	اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی مذہب
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ	اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَا	کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں
سِرِيْنَ۔	سے ہے۔

ظاہر بات ہے اصل پابندی آخری دستور وقانون ہی کی پابندی مقصود ہوتی ہے پھر کوئی شخص سابقہ قوانین کی پابندی کر کے عذاب اور گرفت سے کس طرح نجات پا سکتا ہے یہ تو عقل کے بھی سراسر خلاف ہے۔ جزو ثانی گویا جزو اول کی تکمیل شان ہے جس سے توحید باری کامل خالص اور راسخ ہوتی ہے۔ اس توحید ورسالت کے اعتراف کے بعد انسانی ساری زندگی بھی پابند ہو گئی اور اس کو تمام فاسد خیالات غلط نظریات اور معتقدات سے بھی خلاصی اور چھٹکارا ہو گیا نفس کی ساری خرابی اس کے معتقدات وخیالات ہی کی خرابی اور پراگندگی ہے جس کا اس رکن اول سے یکسر خاتمہ ہو گیا۔

موحد اگر بر پائے ریزی زرش	و گر تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش بناشد ز کس	ہمین ست بنیاد توحید و بس

توحید ورسالت کا اذعان کامل حاصل ہو جانے کے بعد پھر دل کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ حق کی روشنی قلب کو نورانی بنا دیتی ہے۔ بصیرت کی نگاہیں

کھل جاتی ہیں باطل کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور نفس امارہ سراسر مطیع و منقاد ہو جاتا ہے پھر جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ ذاتی اغراض و خواہشات مٹ جاتی ہیں جو کچھ سرزد ہوتا ہے رضاء الٰہی اور مخلوق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے۔ اس دل و دماغ کے تصفیہ اور تنقیح اور پاکیزگی و صفائی کے بعد ہر انسان کے لئے چار ریاضتیں اور بہت سہل آسان مجاہدے مقرر کئے گئے یہ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج ہیں تاکہ جو ملکہ کلمۂ شہادت قبول کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے وہ راسخ ہو جائے اور روز افزوں ترقی کرتا رہے اور جس امر کی زبان سے شہادت دی ہے وہ اعمال کے ذریعہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے قولی اعتراف کے بعد اس کا عملی ثبوت بھی ایک ناگزیر امر ہے۔

نماز اور روزہ بدنی ریاضت ہے اور زکوٰۃ مالی ریاضت ہے اور حج بیت اللہ جانی اور مالی دونوں ریاضتوں سے مرکب ہے۔

دراصل تمام خرابیوں اور برائیوں کا اصل منشا دو امر ہیں ایک کبر و بڑائی جس کو عجب بھی کہتے ہیں۔ دوسرے لذت نفس جس کو شہوت اور خواہش نفسانی بھی کہتے ہیں۔

تمام مفاسد اور خرابیوں کی اصل جڑ اور بنیاد یہی دو امر ہیں ان دونوں سے نفس کا تزکیہ اور ان کو حد اعتدال پر قائم کر دینا ہی اصل کام ہے تاکہ باقی خرابیاں نشو و نما نہ پائیں۔ شریعت اسلامیہ میں ان دو مرضوں کا ازالہ کیا گیا ہے بیشتر احکام ان ہی کے متعلق ہیں اور ایسی خوبی سے ان کا معالجہ فرمایا ہے

کہ ان احکام میں سے کوئی حکم بھی ہمارے طبعی مذاق اور فطری جذبات سے بعید نہیں۔ کیوں کہ سب احکام فطرت انسانی کے موافق ہیں اس لئے طبائع ان کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ حکماء اشراقیین اور راہبوں اور جوگیوں نے بھی ان اذائل سے تزکیہ کیا ہے لیکن انھوں نے اس کے لئے سخت مجاہدے کئے اور بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں جن کا ہر انسان کسی طرح تحمل نہیں کر سکتا۔ اور اسلام نے جو طریقے ان کے ازالہ کے لئے تلقین کئے ہیں وہ بہت آسان ہیں کہ ہر شخص ان کے ذریعہ بخوبی ان خبیث مہلک بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ کبر و نخوت کے ازالہ کے لئے نماز مقرر کی گئی۔ اور ترک لذات اور شہوات پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے روزہ مقرر فرما دیا گیا۔

ان کے علاوہ دو خرابیاں اور ہیں جن کے برے اثرات اپنے نفس ہی پر نہیں بلکہ دوسروں پر بھی پڑتے جو دو متعدی مرض ہیں وہ حبِ[1] جاہ اور حبِ[2] مال ہے جن کی محبت میں انسان ہر برائی کر گذرتا ہے۔ اور دوسروں کو ہر نوع کا نقصان اور ضرر پہنچا دیتا ہے اپنے جاہ مال کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا ان کا ازالہ زکوٰۃ اور حج کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ یہ محض اجمال ہے جس کی تفصیل آگے معلوم ہوگی۔

دوسرا رکن پانچ وقت کی نماز پڑھنا

کبر و نخوت وہ موذی برائی ہے جس کی خباثت و غلاظت باطن

کو بھی خبیث و غلیظ بناتی ہے اور ظاہر پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور دوسروں کی بھی تحقیر و تذلیل کا باعث ہوتی ہے اس کی وجہ سے اپنی عادات بگڑتی ہیں جس کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں۔ حکماء راہبوں۔ جوگیوں اور بعض صوفیوں نے اس کا علاج یہ تلاش کیا کہ تذلل کے اسباب اختیار کئے اور ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے جس سے لوگ ان کو چھوڑ دیں اور ذلیل و خوار سمجھیں۔ کوئی ان کو خاطر ہی میں نہ لائیں

لیکن شریعت اسلامیہ نے ہمیں اس کے خلاف تعلیم دی ہے۔ اور اس کو انسانیت کی توہین اور بے توقیری شمار کیا ہے۔ چنانچہ حکم ہے

لا ینبغی للمومن ان یذل نفسہ مومن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے

اس کے بجائے ہمیں اس کی تعلیم دی کہ عجز و خواری اور ذلت و انکساری صرف اپنے مالک اور خالق کے سامنے اختیار کریں اس سے عجز و انکساری بھی پیدا ہوگی اور اپنے نفس کی توہین اور بے توقیری بھی نہ ہوگی کیوں کہ انسان کو پیدا اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے آقا کے سامنے سرنگوں اور پایمال رہے۔ جب خالق اور مالک کے سامنے سرنگوں اور پائمال رہے گا تو اس کی عظمت و معرفت اس کے اندرون میں سرایت کرے گی اپنے کو ہیچ اور بے حقیقت و بے حیثیت جاننے لگا اور تمام کبر و نخوت کا اندرون سے صفایا ہو جائے گا۔

خالق اور مالک کے سامنے تذلل اور انکساری کے لیے نماز مقرر کی گئی ہے اس میں غایت تذلل اور انکساری بھی ہے کہ سر جو اشرف اعضاء ہے اور کبر و نخوت کا اصل مخزن ہے خاک زمین پر پڑا ہوا ہے جو ارذل اشیاء ہے اور غایت رفعت و سربلندی بھی ہے کہ بندہ حقیر اپنے مولی کریم کے روبرو سربسجود ہے

اس کی حمد و ثنا کر رہا ہے اور اپنی معروضات اس کی بارگاہ عالی میں پیش کر رہا ہے جب ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے تو جب یہ شخص اپنا سر زمین پر رکھے گا تو لامحالہ اس کے اندر سے کبر و نخوت کا مادہ کم ہوگا اور تذلل و انکساری پیدا ہوگی۔ نماز کی وجہ سے پروردگار عالم کی عظمت و معرفت اور قرب و معیت نصیب ہوگی جب حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیش نظر ہوگی تو اپنا ہیچ در ہیچ ہونا ذہن نشین ہو جائے گا۔ اور کبھی غرور و بڑائی کی جرارت و ہمت نہ ہوگی۔

پھر محض ہیئت تذلل کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اسکے اندر اپنے ساتھ ہم کلامی کی بھی اجازت دے دی گئی اگر یہ۔ حکم ہوتا کہ سر جھکا کر کھڑے رہو یا سجدہ میں پڑے رہو تو یہ محض مجاہدہ و ریاضت ہوتی اور اب مجاہدہ و ریاضت بھی ہے اور لذت و سرور بھی ہے۔ پھر اول سے آخر تک ایک ہیئت نہیں رکھی بلکہ مختلف افعال اور اذکار سے مرکب بنایا ہے اور اس میں بھی مناسب ترتیب اور مناسب تغیرات رکھے تاکہ نشاط و سرور برقرار رہے۔ اس کے برخلاف حکماء مرتاضین کے مجاہدے ہیں جو مشقت ہی مشقت ہیں ہر ایک کے بس کے نہیں ہیں۔ اور نہ عام طور پر ان کو اختیار کر کے نفس کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ عمومی مرض کا عمومی علاج نہیں ہیں۔ نیز یہ امر تمام حکماء اور مرتاضین کا مسلمہ و متفقہ اصول ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے خلوت و یکسوئی ضروری امر ہے اور جلوت و اختلاط اس کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس کے لئے انھوں نے ترک تعلقات اور رہبانیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن پروردگار عالم نے اپنے فضل و کرم سے اس فرسودہ رسم کا خاتمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لارھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت اور انقطاع تعلق نہیں ہے نہ اس خلاف عقل و فطرت طریقہ کو ہر شخص اپنا سکتا ہے اور نہ یہ عمومی تزکیہ و تطہیر کا عمومی علاج و مداوا ہے۔ مفید و کارآمد وہی طریق ہے جو انسانی ذوق و فطرت کے موافق ہو۔ چنانچہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرائی جاتی ہے جس میں خلوت بھی ہے اور جلوت بھی ہے ناجنس نجس لوگوں سے بالکلیہ انقطاع اور احتراز بھی ہے اور ہم جنس ہم مشرب متقی پرہیزگاروں کے ساتھ اختلاط اور امتزاج بھی ہے تاکہ برے لوگوں کے برے اثرات کا ازالہ بھی ہوتا رہے اور نیک متقی پرہیزگار لوگوں کے اچھے اثرات اور انوار و برکات سے بھی محروم نہ رہے۔ اس جلوت نما خلوت کیلئے مساجد تعمیر کرائی گئیں جو روئے زمین پر خانہ خدا کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں وہی اشخاص و افراد آتے ہیں جو پابند نماز ہیں اور خدا پرست متقی و پرہیزگار ہیں جن کا اختلاط بھی باعث خیر و برکت ہے الجلیس الصالح خیر من العزلۃ (نیک ہمنشین تنہائی اور یکسوئی سے بہتر ہے) اور ان لوگوں کو مساجد سے دور رکھا جاتا ہے جو کفار و فساق و فجار، بے نمازی ہیں تاکہ اس حصار خداوندی میں آنے والے ان کے برے اثرات سے محفوظ و مامون رہیں۔ اور یہ مجاہدہ ریاضت بھی ایک دم نہیں کرایا جاتا کہ وہ نفس پر شاق اور گراں ہو بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے دن میں پانچ مرتبہ کرایا جاتا ہے تاکہ جلوت و اختلاط کے برے اثرات بھی زائل ہوتے رہیں اور کاروبار زندگی بھی معطل اور بے کار نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔

پس جب تم نماز پوری کر چکو تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کے رزق کی جستجو کرو۔

اب جب کہ یہ طلب معاش بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو اس کے عبادت و طاعت ہونے میں کیا شک و شبہہ کی گنجائش ہے۔ گویا دن بھر عبادت و طاعت ہی میں بسر ہو رہا ہے۔ کیوں کہ ایک نماز کے بعد جب دوسری نماز کا انتظار و اشتیاق ہوگا تو یہ وقت بھی نماز ہی میں شمار ہوگا اور اس دوران میں انسان سے جو بھی اعمال و افعال اور حرکات و سکنات سرزد ہوں گے وہ بلا شبہ اطاعت و انقیاد ہی سے سرزد ہوں گے۔ اللہ و رسول کے اوامر و احکام سے طغیان و سرکشی کی جرارت و ہمت نہ ہوگی۔ اسلام میں خلوت میں بھی اجتماعی شان کو برقرار رکھا گیا ہے اور اس کا اس قدر اہتمام اور التزام رکھا گیا کہ محلہ کے تمام مسلمان دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی مسجد میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر نماز ادا کریں اور قصبہ کے تمام مسلمان ہفتہ بھر میں جمعہ کے دن مسجد جامع میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر نماز ادا کریں۔ اور قصبہ اور قرب و جوار کے تمام مسلمان کسی بڑے میدان میں سال میں دو مرتبہ عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دوگانہ ادا کریں اور بلند آواز سے تکبیریں کہیں تاکہ اجتماعی شان و شوکت اور عظمت و رفعت نمایاں ظہور میں آئے اور مسلمان سربلند رہیں کیوں کہ نماز دراصل اطاعت و انقیاد خداوندی کا عملی اعتراف و اعلان ہے جس اطاعت و انقیاد کا اقرار و اعلان کلمۂ شہادت میں زبانی کیا تھا۔ یہ

اس کا عملی ثبوت و برہان ہے۔ اسی لئے مومن و کافر کے درمیان فرق و امتیاز نماز سے ہی ہوتا ہے۔ مومن و مسلمان نماز پڑھ کر اپنے اسلام و ایمان کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے اور اپنے حزب اللہ سے ہونے کا برملا اظہار کرتا ہے۔ اور کافر و منافق اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوتا ہے اس لئے حزب اللہ سے دور رہتا ہے۔ پھر اس قدر عظیم الشان عبادت اور مہتم بالشان، مجاہدہ و ریاضت میں بھی انسانی ضعف اور مجبوری کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تاکہ اطاعت و انقیاد میں اس کو گرانی اور ناگواری نہ ہو لبیب خاطر اس کا نفس مطیع و منقاد بنا رہے۔ اگر مسجد تک جانے کی طاقت و استطاعت نہ ہو تو گھر پر یا جہاں کہیں بھی ہو جماعت سے نماز پڑھ لے اگر جماعت سے معذور ہو تو تنہا نماز پڑھ لے اگر کھڑے ہو کر پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر بھی پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھ لے وضو کرنے پر قدرت نہ ہو یا پانی موجود نہ ہو تو وضو کی جگہ تیمم کر لے۔ جو کچھ نماز میں دعائیں اور تسبیحات تلقین کی گئیں نہایت مختصر نہایت جامع اور آسان کہ ہر شخص ان کو سمجھ سکے اور پڑھ سکے اور جس قدر بھی قرآن مجید ان میں پڑھ سکے وہی کافی ہے بشرطیکہ تین آیت کے بقدر ہو تاکہ ذوق و نشاط ہر حال میں قائم رہے۔ محض نماز کی پابندی سے ساری شریعت کی پابندی سہل اور آسان ہو جاتی ہے نیک کاموں کی توفیق ہوتی ہے اور برائیوں سے نفرت و بیزاری ہوتی ہے بشرطیکہ نماز کو آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے اور اس کے مرتبہ اور مقام کے مناسب اس کا استقبال کیا جائے۔

"نماز کی عظمت و رفعت"

نماز کی عظمت و رفعت اور اہمیت و فوقیت کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے مستقل دربار خاص (مساجد خداوندی) تعمیر کرائے گئے اور باقی مکانات اور عالی شان محلات پر ان کو فضیلت و فوقیت عطا کی گئی جن میں اہتمام اور التزام کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ کا منادی شب و روز میں پانچ مرتبہ اللہ کے بندوں کو پانچ مرتبہ بلاتا ہے اور اللہ رب العالمین کی بارگاہ خاص میں حاضری کی دعوت دیتا ہے۔ یہی نماز کی اصل حقیقت ہے کہ یہ اپنے پروردگار کے دربار خاص میں شرف باریابی ہے اور مالک الملک احکم الحاکمین خالق کائنات رب العالمین سے شرف مناجات و ہم کلامی ہے اور بارگاہ خداوندی کی خصوصی حاضری ہے۔ نمازی اپنی نماز میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور اپنی معروضات بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان احدکم اذا صلی یناجی ربہ (رواہ البخاری) — جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے

اس مناجات کی تفصیلی کیفیت مسلم شریف کی ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز میرے اور میرے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے اور میرے بندہ کے لیے ہے جو وہ مانگے۔ بس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد بیان

کی ہے اور جب بندہ کہتا ہے الرحمٰنِ الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ نے مجھ پر ثنا بھیجی ہے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین۔ تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری عظمت و کبریائی بیان کی ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ ایاکَ نعبد وایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لئے ہے جو وہ مانگے۔ پھر جب کہتا ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کے لئے ہے جو وہ مانگے (مسلم شریف)

یہ مومن و مسلمان کے لئے ـــــ وہ عروج و ترقی ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اس سے زیادہ عروج و پرواز نصیب نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الصلوٰۃ معراج المومن نماز مومن اور مسلمان کی معراج ہے۔

اس سے بڑھ کر اور عروج و کمال کیا ہو سکتا ہے کہ ایک حقیر خوار بارگاہ ذوالجلال میں باریاب ہے۔ جو اس خاکستان میں اس شرف باریابی سے سرفراز ہو گیا وہ عالم آخرت میں بھی دیدار خداوندی سے شادکام و سرفراز ہوگا۔ کیونکہ یہ دنیا آخرت کے لئے عالم مثال ہے۔ اور جو شخص دنیوی زندگی میں بارگاہ خداوندی کی حاضری اور حضوری سے محروم رہا تو آخرت میں اس نعمت عظمیٰ سے سرفرازی مستبعد بات ہے۔

نماز کے اندر مختلف حالات ہوتے ہیں قیام بھی ہے رکوع بھی ہے اور

سجدہ بھی ہے۔ ان حالات میں بارگاہ خداوندی میں سب سے زیادہ تقرب سجدہ کی حالت میں حاصل ہوتا ہے کیوں کہ یہ بندگی کا عین مقتضا ہے اور بندہ کی طرف سے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے۔ اسی لئے سجدہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے غیر اللہ کے لئے کسی حال اور کسی نوعیت سے بھی سجدہ روا نہیں ہے بندگی کے سراسر منافی ہے۔ اسی لئے سجدہ کو بارگاہ خداوندی میں انتہائی تقرب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدہ کر اور قریب تر ہو جا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد (نزہتہ الناظرین) — سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے پروردگار سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

ایک صحابی نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ میرے لئے دعا فرما دیں کہ قیامت میں مجھے آپ کی شفاعت اور رفاقت حاصل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَعِنّی بکثرۃ السجود — تم اس بارے میں بکثرت سجدوں سے میری اعانت کرو یعنی جنت کی رفاقت کا حصول تمہاری معاونت پر موقوف ہے۔ تم دنیا میں جس قدر کثرت سے سجدے کرو گے (یعنی نمازیں پڑھو گے) اسی قدر تمہیں بارگاہ رب العزت سے تقرب حاصل ہوگا۔ اور جس قدر بارگاہ خداوندی سے تقرب حاصل ہوگا اسی قدر اس کے رسول کی رفاقت حاصل ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر کثرت سے نمازیں پڑھے گا اور بارگاہ خداوندی

میں سجدے کرے گا اسی قدر آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے اس سر کو یہاں جس قدر اپنے مولیٰ کے سامنے پائمال کیا ہے۔ اسی قدر یہ سر آخرت میں سربلند اور سرفراز ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من مسلم یسجد للہ عز وجل سجدۃً الا رفعہ اللہ تعالیٰ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃً

(نزہتہ الناظرین)

جو بھی مسلمان اللہ عزوجل کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند فرماتے ہیں اور اس کی ایک خطا معاف فرماتے ہیں۔

نماز مختلف حالات پر مشتمل ہے۔ قیام۔ رکوع۔ سجود اور قعود ان ہی حالات میں اللہ کے فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض فرشتے قیام کے مامور ہیں اور بعض دیگر رکوع کے مامور ہیں اور بعض دیگر سجود کے مامور ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان تمام حالتوں کو نماز میں جمع فرما کر مسلمانوں کو اس اشرف ترین عبادت کا امر فرمایا ہے۔ گویا ایک نماز ادا کرنے میں ان تمام طریقوں سے عبادت خداوندی ادا ہوگئی جن میں اللہ تعالیٰ کی مقرب ترین نورانی مخلوق (فرشتے) مشغول تھے اور ان سب کی مشابہت تام ہوگئی۔ اسی طرح نماز میں وہ سارے طریقے بھی مجتمع ہو گئے جو اظہار تعظیم کے لئے متعارف تھے۔ کیوں کہ تعظیم کے لئے کبھی ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ قیام ہے۔ اور کبھی فرط ادب سے سامنے جھک جاتے ہیں یہ رکوع ہے۔ اور کبھی غایۃ تعظیم سے سر سامنے ڈال دیتے ہیں۔ یہ سجود ہے اور کبھی دوزانو ہو کر ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ جاتے ہیں یہ قعود ہے۔

اور نماز ان حالات پر حسن ترتیب کے ساتھ مشتمل ہے۔ اس طرح نماز عبادت اور اظہار عظمت و رفعت کے ان تمام طریقوں کو جامع ہوگئی جو فرشتوں اور انسانوں میں متعارف اور رائج ہیں۔ پہلی امتوں میں کسی امت کو نماز فجر کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری امتوں کا دیگر نمازوں کا حکم دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو پانچوں نمازوں فجر[1]۔ ظہر[2]۔ عصر[3]۔ مغرب[4] اور عشا[5] کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح تمام ملل سابقہ کی نمازیں بھی ادا ہوگئیں اور ان تمام اوقات میں عبادت ادا ہوگئی جو عبادت خداوندی کے مناسب تھے اور شب و روز کے اوقات کا احاطہ ہوگیا۔ خالق کائنات پروردگار موجودات نے ایک ذرۂ بے مقدار انسان کو وجود بخشا۔ پھر اپنے ساتھ ربط و تعلق قائم فرما کر اس کو اشرف مخلوقات قرار دیا۔ اس ربط و تعلق اور بندگی کے انتساب کا فطری تقاضا ہے کہ انسان اپنے مالک اور اپنے خالق اور اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو اور اپنی معروضات و حاجات اس کی بارگاہ میں پیش کرے اور اس کی عظمت و کبریائی اور اپنی بندگی اور بے چارگی کا اس کے ۔۔۔۔ روبرو برملا اظہار و اعتراف کرے۔ تاکہ جذبہ بندگی کی تسکین ہو اور تعلق خداوندی کی تکمیل ہو اور اپنے مالک خالق پروردگار کے بے شمار بے حد و نہایت احسانات کا فی الجملہ شکر ادا ہو جائے۔ کیوں کہ محسن کی شکر گذاری انسان کا فطری و طبعی تقاضہ ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے انعامات بے حد و نہایت ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اور اگر تم اللہ کے انعامات کو شمار کرو گے تو ان کو شمار نہ کر سکو گے۔ اس جذبہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں

پر نماز کو فرض فرمایا تاکہ اگر از خود کسی کو توفیق نہ ہو تو امر ربانی کی وجہ سے ہر ایک فریضۂ بندگی سے سبکدوش ہو جائے۔ یہ مومنوں کے لئے اس دنیا میں منتہائے معراج ہے کہ ایک ذرہ خاک کو ملاءِ اعلیٰ پر پہنچا دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ نماز کی اصل تین امور ہیں۔

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے ملاحظہ سے قلب میں خشوع وخضوع پیدا ہو۔

(۲) اس عظمت وخضوع کی عمدہ عبارت میں زبان سے ترجمانی ہو۔

(۳) اس عظمت وخضوع کے مناسب باقی تمام جوارح تعظیمی افعال بجالائیں تعظیمی افعال میں سے ہے کہ اس کے روبرو ادب سے کھڑا ہو اور اپنی حاجات پیش کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی عظمت وکبریائی کا شعور کرکے اس کے سامنے اپنا سر جھکا دے کیوں کہ گردن کا اٹھانا عرف وعادت میں تکبر اور بڑائی کی علامت ہے اور اپنی گردن کو جھکانا عجز وانکساری کی علامت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے سر کو جو اشرف اعضاء اور مجمع حواس ہے اس کے سامنے ڈال دے۔ یہ تین تعظیمی امور ہیں جو انسانوں میں رائج اور شائع ہیں ان ہی امور سے وہ عبادت کرتے ہیں اور ان ہی امور سے سلاطین کی تعظیم کرتے ہیں۔ اب نماز تعظیم کی بجاآوری کی بہترین صورت ہے۔ کیوں کہ یہ تعظیم کے تینوں طریقوں کو جامع ہے اور اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے جس قدر خشوع وخضوع کا شعور بڑھتا گیا اسی قدر ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی حاصل ہوئی اور تعظیم وتکریم میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی میں وہ فائدے متصور ہیں جو محض اعلیٰ تعظیم پر اکتفا کرنے یا اعلیٰ سے ادنی کی طرف اترنے میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ نماز کو تمام اعمال صالحہ اور عبادات وطاعات کی جڑ اور بنیاد قرار دیا گیا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت میں غور وفکر یا حق تعالیٰ کے دائمی ذکر کو اصل قرار نہیں دیا گیا۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر صرف ان ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے جن کے نفوس بہت ہی عالی اور پاکیزہ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

اس کے علاوہ اگر وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرے گا۔ تو حیران ہو جائے گا اور اپنی اصل پونجی بھی کھو دے گا چہ جائیکہ کوئی مزید ترقی ہو۔ اور کسی تعظیمی کام میں مشغولیت اور مصروفیت کے بغیر محض ذکر اللہ کرنا اکثر لوگوں کے حق میں فائدے سے خالی ہے۔

نماز ایک معجون مرکب ہے جس میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر بھی ہے۔ اور ایسی دعائیں بھی ہیں جو عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر دیں۔ اور نفس کو اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ کر کے اس سے وابستہ کر دیں اور وہ تعظیمی افعال رکوع وسجود وغیرہ بھی ہیں جو اس حالت کے معین و مددگار ہوں۔ اس لئے نماز ہر خاص وعام کے لئے مفید ہے اور ایسا قوی التاثیر تریاق ہے جو ہر ایک کو اس کی استعداد اور صلاحیت کی بقدر فائدہ پہنچاتا ہے اور ترقی دیتا ہے۔ نماز مومن کے لئے بمنزلہ معراج ہے جو اس کو اخروی تجلیات باری کے تحمل کے لئے تیار کرتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ "عنقریب تم اپنے پروردگار کی زیارت کروگے لہٰذا فجر اور عصر کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرو"۔ نماز حق تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے اور اس کی رحمت نازل ہونے میں بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول صـ۷۲)

البدور البازغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے نماز کی حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا۔

وشرط صحتہا النیۃ واصل اخلاصہا افعال صادرۃ من قلب امتلاء ایمانا باللہ تعالیٰ ورغبۃ الی اللہ تعالیٰ وتعظیما لہ۔

اور نماز صحیح ہونے کی شرط نیت وارادہ ہے اور نماز کے اصل عناصر وہ افعال ہیں جو اس قلب سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ کے یقین اور اللہ کی رغبت اور اللہ کی تعظیم سے بڑھے۔

ودعوات کاملۃ تامۃ فوجب التکبیر ابتداءً توثیقاً بالنیۃ و الاخلاص وتعبیراً عنہما۔

اور وہ دعائیں ہیں جو کامل اور تمام ہیں اسی لئے ابتدا میں تکبیر ضروری ہوئی تاکہ اس سے نیت واخلاص کی توثیق ہو جائے اور نیت واخلاص زبان سے ادا ہو جائیں اور ان افعال کو بجا

واقامتہ للفعل المنضبط مقام الوجد ان الحق ووجب القیام والرکوع والسجود لانہا افعال تدل علی التعظیم وکررت السجدۃ لانہا غایۃ التعظیم فوجب تکرارہا

لانا ہے جو حقیقی وجدان کے قائم مقام ہوں اور قیام ورکوع وسجود ضروری ہے کیوں کہ یہ تینوں افعال تعظیم پر دلالت کرتے ہیں اور سجدہ کو اس لئے مکرر کیا گیا کہ اس میں غایت تعظیم ہے لہٰذا اس کا بار بار کرنا ضروری ہوا۔

(البدور البازغۃ)

(البدور البازغۃ)

پس معلوم ہو گیا کہ نماز کی اصل اپنے پروردگار خالق مالک کے ساتھ جذبہ تعلقِ بندگی کی ایسی طرح اداٸیگی ہے جس سے قلب میں محبت و عظمت و معرفت پیدا ہو اور زبان سے حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان ہو اور جوارح سے ایسے افعال و ارکان سرزد ہوں جو تعظیم و تکریم کے لئے مخصوص ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الخیر الکثیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

وصورتها في صورة النفس الالفة وتصورت في المدركة والواهمة محبةً وفي الخيال تعظيماً وفي اللسان حمداً وتسبيحاً وتكبيراً وفي القالب افعالاً واركاناً مخصوصة (الخير الكثير)

اور نماز کی صورت نفس انسانی میں جذبہ الفت ہے اور اس کی وجہ سے قوۃ مدرکہ اور قوۃ واہمہ میں محبت پیدا ہوتی ہے اور قوۃ خیالیہ میں تعظیم اور زبان میں حمد اور تسبیح و تقدیس اور قالب انسانی میں وہ افعال و ارکان جو تعظیم کے لئے خاص ہیں۔

اس مختصر بیان سے نماز کی غرض و غایت بخوبی واضح ہو گئی اور اگر کوئی بھی غرض و غایت نہ ہو تو یہ بات بالکل کافی ہے کہ یہ بندوں پر فریضہ خداوندی اور شیوہ بندگی ہے۔ بندہ کا کام ہی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور ادائے بندگی ہے۔ اس نعمت عظمیٰ سے وہی شخص اعراض و انحراف کر سکتا ہے جس کا قلب شقاوت و قساوت اور نجاست و غلاظت اور تعصب و عناد سے بھرا ہوا ہے۔

"نماز کی جامعیت"

نماز جس طرح تمام تعظیمی امور پر مشتمل ہے اسی طرح تمام انواع اذکار کو بھی جامع ہے جن کے ذریعہ اللہ رب العزت کو یاد کیا جاتا ہے اور طمانیت قلب

حاصل ہوتی ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ خبردار رہو صرف اللہ کے ذکر سے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ نماز ذکر اللہ کے اکثر شعبوں کو جامع اور حاوی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بار بار ورد بھی ہے اور تکبیر و تقدیس اور تسبیح و تحمید بھی ہے اور جامع دعائیں بھی ہیں اور توبہ و استغفار بھی ہے اور صلاۃ و سلام بھی ہے اور یہی وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ اللہ رب العزت کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اللہ رب العالمین کی یاد کا بہترین افضل ترین طریقہ نماز ہے۔ جس قدر نماز سے وابستگی اور دل بستگی ہوگی اسی قدر بارگاہ رب العزت سے تقرب اور تعلق قائم ہوگا اور اسی قدر کمال بندگی سے آراستگی ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ جس قدر تاکید اور ترغیب نماز کی ہے۔ وہ دیگر عبادات کی نہیں ہے اور جو عظمت و فضیلت نماز کو حاصل ہے وہ دیگر عبادات کو حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما افترض اللہ علی خلقہ	اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد جو امور اپنی مخلوق
بعد التوحید احب	پر فرض قرار دیے ان میں اللہ تعالیٰ کے یہاں
الیہ من الصلاۃ ولو کان	نماز سب سے زیادہ محبوب پسندیدہ ہے اگر
شیئ احب الیہ منہا	کوئی دوسری عبادت اس سے زیادہ پسند ہوتی
ما تعبد بہا ملائکۃ فمنہم	تو اللہ کے فرشتے نماز سے عبادت نہ کرتے کیونکہ
راکع وساجد و قائم	بعض فرشتے رکوع میں ہیں۔ اور بعض دیگر سجود

وقاعل (نزہتہ الناظرین) میں اور بعض قیام و قعود میں ہیں۔

یہ ہے وہ منتہائے شرف و عزت کا مقام جو خالق جل جلالہٗ کی جانب سے مخلوق کو اس عالم مثال میں عطا کیا گیا ہے جو عالم آخرت کے لئے محض ایک مثالی نمونہ ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ ایسا ہے جیسے آخرت میں دیدار خداوندی ہے۔ دنیا میں انتہائی قرب خداوندی نماز میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار خداوندی کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام عبادات نماز کے لئے بمنزلہ وسائل اور ذرائع ہیں اور نماز خود مقاصد میں سے ہے (مکتوب نمبر ۱۱۷ جلد اوّل)۔

پس جب اپنے پروردگار کی یاد کا جذبہ پیدا ہو اور اس کی بارگاہ میں حاضری اور حضوری کا شوق ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہو جائے۔ ارشاد باری ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ قائم کرو تم نماز کو میری یاد کے لئے

اسی لئے فرض نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ کوئی فردِ بشر اس شرف و عزت سے محروم نہ رہے اور اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہ رہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ تم نمازوں پر محافظت رکھو۔

جس طرح آب و دانہ مادی غذائیں انسانی جسم کی نشوونما اور تقویت کے لئے ضروری اور لابدی ہیں اور انسانوں کو ان کے کھانے پینے کا حکم دیا گیا

ہے اور ان میں بے اعتدالی سے باز رکھا گیا ہے کہ صحت جسمانی خراب نہ ہو جائے
كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۔ تم کھاؤ اور پیو ولیکن اس میں اعتدال
سے تجاوز نہ کرو۔ اسی طرح روح انسانی کی نشو و نما۔ تقویت اور ترقی و عروج
کے لئے نماز کے بغیر چارہ نہ تھا اسی لئے دن میں پانچ مرتبہ نماز کو فرض کیا گیا۔
تاکہ انسان کی روح مضمحل اور بے کار ہو کر طاقت پرواز سے محروم نہ ہو جائے
مادی کثافت ہمیشہ مغلوب رہے۔ ارشادات ربانی میں اقامت نماز اور محافظت
نماز کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور نماز کی اصل اقامت اور اصل محافظت یہ ہے کہ
نماز کو پورے شعور کے ساتھ نماز کی طرح ادا کیا جائے۔ اور نماز کا حق پورا
پورا ادا کیا جائے ورنہ پھر وہ نماز کی محافظت نہیں ہے بلکہ اس کی اضاعت
ہے نماز کا قیام و بقا نہیں ہے بلکہ اس کا فنا ہے۔ چنانچہ ایسے نمازیوں کے
لئے ہلاکت و خسران ہے جو نماز کو غفلت و مدہوشی اور لاپروائی و بے توجہی سے
ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ — پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

ظاہر ہے شاہی درباروں میں حاضری اسی وقت نتیجہ خیز ہوتی ہے جب آداب مجلس بجا لائے۔ اور مزدور کی اجرت اسی وقت دی جاتی ہے جب وہ کام صحیح طریقہ پر کرے۔ نماز کا حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب اس میں چار امور کی حفاظت و نگہبانی کی جائے۔ اول طہارتِ جسم۔ یعنی لباس و جسم کا نجاست و ناپاکی سے پاک و صاف ہونا۔ پاک لباس پہنے اور تمام سنن و مستحبات کی

پابندی کرتے ہوئے وضو کرے۔ جسم کو ظاہری گندگی سے پاک و صاف کرے اور قلب کو باطنی گندگی سے توبہ و استغفار کے ذریعہ پاک و صاف کرے۔

ایسی طہارت و نظافت ایمان کا نور ہے جو جسم کو نورانی بنا دیتی ہے اور قلب میں روشنی اور صفائی پیدا کر دیتی ہے اور انسان کو اس سے بشاشت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور دل میں ایک قسم کا کیف و سرور محسوس ہوتا ہے جو اس طہارت کے صحیح ہونے کی علامت ہے اور ایمان کا جزء اعظم ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

الطہور نصف الایمان (مسلم) پاکی نصف ایمان ہے۔

ایمان کا خاصہ ہے ظاہری اور باطنی نجاست و غلاظت سے پاکیزگی اور صفائی۔ اور اعمال حسنہ سے آراستگی ہے۔ تو وضو کی وجہ سے نصف ایمان حاصل ہو گیا کیوں کہ وضو سے ظاہری اور باطنی دونوں نجاستوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور گناہوں کے اثرات ظاہر و باطن سے دھل جاتے ہیں۔ دوسرے نماز کی ادائیگی میں تمام فرائض[1] اور واجبات[2] و سنن[3] و مستحبات[4] کا التزام رکھنا۔ نماز کامل جب ہوتی ہے جب ان چاروں امور کو پورے طور پر ادا کیا جائے۔ ان کا نقصان و کمی نماز کا نقصان و کمی ہے۔ اسی لئے ان امور کو وضاحت کے ساتھ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور اولیاء کرام نے ان کی پابندی کی ہے۔ اگر غفلت و لاپروائی سے کسی سنت اور مستحب کو بھی ترک کر دیا تو وہ نماز قبولیت کے شایان نہیں ہے بلکہ ردی خراب کپڑے کی طرح رد کر دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں بارگاہ خداوندی کی حاضری کے ظاہری آداب ادا نہیں کیے گئے۔ ایسے نمازیوں کے متعلق ارشاد نبوی ہے "کتنے ہی نمازی ایسے

ہیں کہ ان کے لئے ان کی نماز سے مشقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے"۔

جس طرح وضو تام و کامل سے دل میں نور و سرور محسوس ہوتا ہے۔ اور بشاشت و فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز کے اندر تمام فرائض۔ واجبات سنن اور مستحبات کی ادائیگی سے بھی قلب کی پاکیزگی اور صفائی ہوتی ہے اور دل میں نور و سرور محسوس ہوتا ہے۔ اور بشاشت و فرحت حاصل ہوتی ہے جو نماز کے صحیح طور پر ادا ہونے کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصلوٰۃ نور — نماز نور ہے

اور اسی جانب اس ارشاد نبوی میں اشارہ ہے۔

قرۃ عینی فی الصلاۃ — میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے

تیسرے حضور قلب یعنی نماز میں جو کچھ تم کر رہے ہو یا زبان سے کہہ رہے ہو دل اس کا معترف اور ہم نوا ہو۔ اور اول سے آخر تک پوری نماز اسی طرح ادا کی جائے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور غیر کی جانب متوجہ نہ ہو۔ اسی کا نام حضور قلب ہے جس کے بغیر نماز ناقص و ناتمام ہوتی ہے ارشاد نبوی ہے۔

لا صلاۃ الا بحضور القلب۔ — حضور قلب کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔

اسی کیفیت کو ارشاد نبوی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان — احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی طرح عبادت کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے

لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ۔ اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے ۔ (رواہ البخاری)

غرض نماز میں جو لمحہ بھی غیر کے ساتھ گذرے گا وہ نماز میں شمار نہ ہوگا ۔ بلکہ خارج نماز شمار ہوگا ۔ نماز حضور قلب سے ہوتی ہے جب قلب حاضر نہیں رہا اور غیر میں مشغول ہو گیا تو نماز کی اصل حقیقت فوت ہو گئی محض صورت رہ گئی ۔

چوتھے اپنے رخ کو بیت اللہ کی طرف رکھے تا کہ توجہ تام ہو جائے اور طبیعت میں پراگندگی اور انتشار نہ رہے ۔

اسی لئے نماز کے لئے جہت کو مقرر کیا گیا ہے ۔ اگر جہت متعین نہ ہوتی تو دل کو کسی طرح سکون و قرار نہ ہوتا اور ہر دم حیرانی و پریشانی رہتی کہ اپنے پروردگار کو کس جانب تلاش کروں ۔ یہ محض بندوں کی آسانی اور دلجمعی کے لئے ہے ورنہ اللہ رب العالمین جہت اور مکان سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور ہر سمت جلوہ فرما ہے ۔ جو کچھ اسے نظر آ رہا ہے اسی کے صفات کمال کا ظہور و شہود ہے ۔

اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ تم جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کی سمت ہے

پس چہرہ کا رخ کعبہ اللہ کی جانب ہو جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے اور دل کا رخ ربِ کعبہ کی طرف ہو جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے ۔ ان امور کی پابندی کے بعد نماز صحیح معنی میں نماز شمار ہوگی ۔ اور نماز کی اقامت اور نمازوں کی محافظت کا ایک گونہ حق ادا ہوگا ۔ یہی وہ نماز ہے جو مومن کے لئے معراج اور منتہائے ترقی و پرواز ہے ۔ کیوں کہ اس میں بارگاہ رب العالمین

کی حاضری اور حضوری ہے اور اللہ رب العزت سے شرف ہم کلامی اور مناجات ہے۔ اپنی بندگی بے چارگی۔ غلامی وفاداری اطاعت شعاری اور عجز و انکساری کا قلب اور جوارح سے اعتراف و اعلان ہے اور اپنے فرط تعلق و محبت کا اظہار ہے۔ جو بندگی کا اصل سرمایہ ہے اور زندگی کا اصل مقصود ہے۔

ان امور میں اصل اصول اور اہم امور نماز کے فرائض۔ واجبات۔ سنن و مستحبات کا التزام و اہتمام ہے۔ اسی سے اخلاص پیدا ہوتا اور اسی سے حضور قلب حاصل ہوتا ہے۔ وضو کی بھی اس سے تکمیل ہوتی ہے۔ اور نماز بھی اسی کے ساتھ مکمل تام ہوتی ہے۔ جب وضو کے تمام فرائض۔ واجبات۔ سنن و مستحبات ادا کر دیے تو وضو مکمل ہو گیا اور جب نماز کے تمام فرائض۔ واجبات۔ سنن و مستحبات ادا کر دیے تو نماز مکمل اور تام ہو گئی۔ اور اسی کا ہر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فقیر کے نزدیک نماز کی تمامی اور کمال یہ ہے کہ نماز کے ان فرائض۔ واجبات سنن اور مستحبات کو پورا ادا کر دے جو کتب فقہ میں مفصل بیان کئے گئے ہیں ان چاروں امور کے علاوہ کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کی تکمیل میں دخل ہو۔ نماز کا خشوع بھی ان ہی چار امور میں مندرج ہے اور حضور قلب بھی ان ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ بعض لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں لیکن اس کے موافق عمل میں سستی کرتے ہیں جس کی وجہ سے لامحالہ نماز سے پورا حصہ نصیب نہیں ہوتا۔

اور دوسرے بعض لوگ حضور قلب کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اعمال تعظیمی

کی پروا کم کرتے ہیں اور فرائض وسنن میں اقتصار کرتے ہیں۔

یہ جماعت بھی حقیقت نماز سے آگاہ نہیں ہے اور کمال نماز کو غیر نماز سے تلاش کرتی ہے کیوں کہ انھوں نے حضور قلب کو احکام نماز سے شمار نہیں کیا ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ "بے حضور قلب نماز نہیں" اس سے مراد ان چاروں امور میں قلب کا حاضر رہنا ہے تاکہ ان میں کسی قسم کا فتور نہ آئے۔ اس حضور کے علاوہ کوئی دوسرا حضور اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا (مکتوب نمبر ۳۰۵ جلد ۱)۔ اس کیفیت حضور کو پیدا کرنے کے لئے دو امر کی ضرورت ہے۔

اوّل یہ کہ ہر فرض وواجب۔ سنت ومستحب کو سکون واطمینان کے ساتھ ادا کیا جائے اور ہر رکن کو پورا پورا ادا کرے۔

دوسرے یہ کہ ہر فرض واجب۔ سنت اور مستحب کی ادائیگی کے وقت اس کی عظمت وحرمت کا دھیان ویقین ہو اور اس کے اجر وثواب کی طلب اور آرزو ہو۔ جس قدر ان امور میں افزونی ہوگی اسی قدر یہ عبادت مقبول اور تام ہوگی۔

اس مختصر بیان سے نماز کی قدر، حقیقت اور عظمت ورفعت آشکارا ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ ادائے عبادت کے لئے اس سے بہتر اعلیٰ اور سہل و آسان طریقہ نہیں ہوسکتا۔

"فرض نمازوں کی ضرورت اور اہمیت"

انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے حتیٰ کہ اس کی جان اور ... اس کا وجود اور

اس کے ہاتھ۔ پیر۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ حواس۔ ادراک و شعور۔ عقل و فہم۔ مال و متاع قوت و طاقت غرض کوئی بھی شے اس کی اپنی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ اللہ رب العالمین کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں۔ جن سے یہ ہر وقت منتفع ہو رہا ہے۔

جس مولائے کریم نے انسان کو سب کچھ عطا فرمایا اس کے بے شمار انعامات اور احسانات کا مقتضیٰ یہ تھا کہ انسان چوبیس گھنٹہ ہر آن ہر لمحہ اس کی رضا و خوشنودی اور وفاداری و فرماں برداری اور عبادت و بندگی میں مشغول رہے۔ اور ہر وقت اس کے دربار میں حاضر باش اور ہر خدمت کے لئے مستعد و تیار رہے اور کوئی لمحہ غفلت و مدہوشی اور بے توجہی و لاپروائی میں نہ گذارے۔ جب ایک شخص کسی کو چند روپے ماہوار پر ملازم رکھتا ہے تو اس سے کس قدر مستعدی فرض شناسی۔ وفاداری۔ جاں نثاری۔ حاضر باشی اور اطاعت و فرماں برداری کا خواہاں ہوتا ہے اور ذرا سی کوتاہی پر کس قدر باز پرس کرتا ہے اور بگڑتا ہے حالانکہ وہ شخص خود اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے ملازم کا محتاج ہوتا ہے اور یہ ملازم کا بڑا کرم ہے کہ اس نے چند سکوں کے عوض اپنی جان عزیز آقا کے حوالے کر رکھی ہے۔ پھر وہ پروردگار عالم جس کی انسان مخلوق ہے۔ مملوک ہے اور سراپا شرمندہ احسان ہے اور ہر وقت اس کی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز اور مالا مال ہے۔ اور وہ اس سے ہر طرح مستغنی اور بے نیاز ہے محض اپنے کرم سے اس کی پرورش فرما رہا ہے وہ مالک حقیقی قادر مطلق مالک الملک احکم الحاکمین اگر انسان سے ہر وقت کی حاضر باشی۔ مستعدی و جاں نثاری۔ فرض شناسی و وفاداری اور اطاعت

و فرماں برداری کا خواہاں ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے ؟ ۔ اور انسان سے اس میں کوتاہی پر باز پرس کی جائے تو اس کے پاس کیا عذر ہے ؟ اسی لئے معراج میں ابتداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی امت پر شب و روز میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں تاکہ ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کی تیاری میں مشغول ہو جائے اور کوئی وقت اطاعت اور عبادت خداوندی سے خالی نہ گذرے ۔

لیکن اس سے معاشی اور مادی امور معطل و بے کار ہوتے تھے ۔ اس لئے رحمت خداوندی کا تقاضہ یہ ہوا کہ نمازوں میں تخفیف کی جائے ۔ پھر تخفیف بھی اس حد تک کر دی گئی کہ پچاس کے بجائے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں اور وہ بھی محض صوری تخفیف کی گئی کیوں کہ ان پانچ نمازوں کو اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب اور اثرات و ثمرات میں پچاس نمازوں کے قائم مقام کر دیا گیا ۔ اب جس شخص نے شب و روز میں پانچ فرض نمازیں ادا کر لیں اس نے گویا شب و روز میں پچاس نمازیں ادا کیں اور پچاس دفعہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ "حجۃ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں "نماز کا اصل مقصد بارگاہ خداوندی کے شہود و حضور میں غور و خوض اور فرشتوں کے ساتھ عبادت میں شرکت و شمول ہے ۔ اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نماز پر مداومت نہ کی جائے اور ہر وقت نماز کا التزام نہ رکھا جائے اور بکثرت نمازیں نہ پڑھی جائیں تاکہ ان سے ان کے بوجھ ہلکے ہوں اور یہ بات ممکن نہیں کہ بندوں کو ایسی بات کا حکم دیا جائے جس سے مادی ترقیات

رک جائیں اور طبعی امور بالکل بے کار ہو جائیں اس لئے حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ بندوں کو نماز کی محافظت کا حکم دیا جائے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کا خوگر بنایا جائے تاکہ نماز پڑھنے سے پہلے نماز کا انتظار اور اس کی تیاری۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد نماز کا بقیہ رنگ اور سابقہ نور بھی نماز کے حکم میں ہو جائے اور یہ درمیانی وقفہ کے غفلت کے اوقات بھی چشم پوشی سے ذکر اللہ میں شامل کر دیئے گئے اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ تعلق خاطر شمار ہو گئے۔ پس مسلمان کی مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو اپنے تھان پر بندھا ہوا ہو اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد چراگاہ میں چرتا ہو پھر اپنے تھان پر واپس آجاتا ہو اس طرح غفلت اور خطایا کی ظلمت جذر قلب میں نہیں اترنے پاتی چونکہ حقیقی دوام ممتنع تھا اس لئے اسی قدر دوام پر اکتفا کیا گیا جو کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ پھر جب نماز کے لئے اوقات کے تعین کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے وہی اوقات زیادہ مناسب تھے جن میں روحانیت پھیلتی ہے اور اللہ کے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور ان اوقات میں بندوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں اور بندوں کی حاجات پوری کی جاتی اور ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اور جمہور اہل ملل کے یہاں یہ امر مسلمات سے ہے (حجۃ البالغۃ ج ۱ ص ۱۸۵)

اس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں سے ہر وقت کی حاضر باشی کی پابندی کو ہٹا کر ان کے لیے بارگاہ خداوندی میں حاضری کے لئے اوقات مقرر فرما دیے اور سب بندوں کو حکم دے دیا کہ ان اوقات میں ہماری بارگاہ

میں حاضر ہوں اور اپنی اپنی حاجات پیش کریں۔ یہی ان کی اطاعت و انقیاد کا عملی ثبوت ہے۔ اگر اس عملی ثبوت پر مداومت رکھے گا تو پورے دین پر استوار قائم رہے گا اور اگر اس کو ضائع کر دے گا تو پورے دین کو مسمار کر دے گا ارشاد نبوی ہے۔

الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین۔

نماز دین کا درمیانی ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو منہدم کیا اس نے دین کو منہدم کر دیا

اس طرح کفر و ایمان کی درمیانی حد فاصل جس سے ظاہر طور پر کافر و مومن میں فرق و امتیاز کیا جائے نماز ہے۔ مومن و مسلمان نماز کا اہتمام کرتا ہے اور کافر و منافق اس سے دور رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلاۃ (رواہ مسلم)

آدمی اور شرک و کفر کی درمیانی حد نماز کا چھوڑنا ہے۔

دوسری حدیث میں اس کی توضیح اس طرح ہے۔

العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر (رواہ الترمذی)

ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز حد فاصل ہے پس جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے کفر اختیار کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے

من ترک الصلاۃ متعمداً

جس نے نماز کو عمداً ترک کیا اس نے کفر

فقہ کفر — اختیار کیا

یہ قولی کفر نہیں ہے اور نہ ترک نماز کی وجہ سے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوا ہے بلکہ عملی کفر ہے یعنی اسلامی عمل ترک کرکے کفارہ کا وطیرہ اور شیوہ اختیار کرلیا ہے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت اور واحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی شہادت اور اعتراف واقرار ایک قلبی امر تھا جس کی زبان سے محض ترجمانی ہوتی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس زبانی اعتراف کے لئے عملی شہادت اور فعلی اعتراف مقرر کیا جائے تاکہ ان کے ذریعہ اس شہادت کا عملی ثبوت فراہم ہو۔ اس کے لئے باقی ارکان مقرر کئے گئے جو ایمان واسلام قبول کرنے کی ظاہری علامات اور شواہد ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ

پھر اگر وہ کفر وشرک سے رجوع کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو ان سے تعرض نہ کرو۔

اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا الرسول اللہ و یقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکاۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا

میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ کفار سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پھر جب وہ ایسا کرلیں تو ان کے نفوس اور اموال

منی دما لھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ (رواہ البخاری ومسلم)

مجھ سے محفوظ ہو گئے۔ البتہ حقوق اسلامی کا ان سے مطالبہ ہوگا اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے (بخاری ومسلم)

اور ان چاروں ارکان میں اصل نماز ہی ہے کیوں کہ وہ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے اور شب و روز میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔

ان ارکان میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف مالداروں کے لئے ہے اور سال بھر میں صرف ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ اور حج بیت اللہ کی ادائیگی صرف ان مسلمانوں کے لئے ہے جن میں بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور زادراہ موجود ہو اور عمر بھر میں صرف ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے اور رمضان شریف کے روزے اگرچہ ہر مالدار اور نادار پر فرض ہیں لیکن ان کی ادائیگی بھی سال میں صرف ایک مہینہ ہوتی ہے۔ اب ارکان اسلام میں سے صرف نماز ہی ایسا رکن رہ گیا جس کی ادائیگی ہر روز ہوتی ہے اور شب و روز میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے نماز ہی اسلام و ایمان کی خصوصی علامت اور امتیازی نشان ہے جو مومن اور کافر میں ظاہری فرق اور امتیاز قائم رکھتی ہے۔

"فرض نمازوں سے تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور ترقی درجات"

سابقہ بیان سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کے لئے نماز سے بہتر اعلیٰ صورت عقلاً مقصود نہیں ہے۔ عروج و ترقی کے سارے درجات اسی سے وابستہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر

فرماتے ہیں کہ "نماز ایک تریاق عظیم ہے جو ان تمام زہروں کو دفع کرتا ہے جو صحت نفسانی کے لئے مہلک ہیں۔ ایمان کو تقویت دیتا ہے اور کفر و شرک کا ازالہ کرتا ہے اور تمام شرور و مفاسد کو دفع کرتا ہے۔ فتنۂ قبر سے محفوظ رکھتا ہے اور طبعی حجاب اور سوء معرفت کے حجاب کو چاک کرتا ہے۔ نماز کی مشروعیت میں وہ فائدے رکھے گئے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا (البدور البازغہ ص۲۰۸)

ان میں سے چند فائدوں کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) نماز بالخاصہ فحش اور برائیوں سے روکتی ہے اور وہ امور انسان سے سرزد نہیں ہونے دیتی جو اس کی انسانیت کے لئے بدنما داغ ہیں اور خداوند عالم کی معصیت و نافرمانی نہیں جب کوئی شخص دن میں پانچ مرتبہ اپنے آقا حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کی نافرمانی سے توبہ و رجوع کرتا رہے تو پھر اسے معصیت و نافرمانی کی کب جرأت و ہمت ہو سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔	بے شک نماز فحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔ اور بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

نماز فحش اور برائیوں سے کیوں روکتی ہے کیوں کہ نماز اللہ رب العزت کی یاد اور دھیان کے لئے پڑھی جاتی ہے اور اول سے آخر تک ذکر اللہ پر مشتمل ہے اور ذکر اللہ بہت بڑی نعمت و سعادت ہے۔ جس دل میں اللہ رب العزت کی یاد ہوگی اس میں فحش و برائی کی خواہش کس طرح آ سکتی ہے؟ پھر جو کچھ نمازی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں پھر یہ اس سے کس طرح غافل

ہو کر اس کی نافرمانی کر سکتا ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح ادا کیا جائے غفلت و بے ہوشی سے اس کو ضائع نہ کیا جائے۔

(۲) بشریت کے تقاضے سے جو خطائیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ فرض نمازوں کی پابندی سے ان کے اثرات قلب سے زائل ہو جاتے ہیں اور نفس پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔	قائم رکھو نماز کو دن کی دونوں طرفوں اور رات کی اندھیری میں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نیکیوں کی اصل تاثیر یہ ہے کہ ان سے برائیوں کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور نماز چوں کہ نیکیوں کی جڑ اور بنیاد ہے اس لئے نماز پڑھنے سے سابقہ خطاؤں کے اثرات دھل جاتے ہیں اور نفس انسانی پاکیزہ و صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ اسکو اس طرح سمجھایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے گھر سامنے نہر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اس پر کوئی میل کچیل باقی نہ رہے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے

ذریعہ سابقہ خطاؤں کو محو فرما دیتے ہیں (صحیحین)

(۳) ہر ایک نماز دوسری نماز تک کی درمیانی معمولی خطاؤں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے جو بھی مسلمان جب فرض نماز کا وقت آئے تو اس کے وضو اور اس کے خشوع و رکوع کو اچھی طرح ادا کرے تو یہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے (مسلم شریف) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک درمیانی خطاؤں کا کفارہ ہے جب تک وہ کبیرہ گناہوں میں ملوث نہ ہو (مسلم شریف)

بات دراصل یہ ہے کہ نماز پاکیزگی اور فروتنی کو جامع ہے اور نفس انسانی کو ملاء اعلیٰ کے ساتھ وابستہ کرتی ہے۔ اور نفس کی یہ خاصیت ہے کہ جب ایک صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو اس کی ضد مقابل کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ بالکل کالعدم ہو جاتی ہے۔ پس جس شخص نے پانچوں نمازوں کو صحیح طریقہ پر ادا کیا اور اس کی غرض و غایت کو بخوبی سمجھ گیا تو وہ شخص لامحالہ رحمت خداوندی کے دریا میں غوطہ زن ہوگا جس سے تمام خطائیں دھل جائیں گی اور آئینہ دل صاف و شفاف ہو جائے گا۔ یہ ہے گناہوں اور خطاؤں کے کفارہ کی اصل صورت نہ یہ کہ خداوند عالم کا فرضی بیٹا بنا کر اس کو دوسروں کی خطاؤں کے کفارہ میں ناحق سولی پر چڑھا دیا جائے جو صریح ظلم اور ناانصافی ہے اور عقل کے سراسر خلاف ہے کہ

کرے کوئی اور بھگتے کوئی ۔ جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کو ناحق سولی پر چڑھا کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

(۴) نمازوں کی محافظت اور مداومت سے مومن و مسلمان کے مراتب اور درجات بلند ہوتے ہیں آخرت میں بھی اس کے درجات بلند ہوں گے اور دنیا میں بھی اس کا مرتبہ و مقام بلند ہوگا ۔ جس قدر نمازیں پڑھی ہیں اسی قدر بلند مرتبہ پر فائز ہوگا ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بے شک تو جو بھی سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیئے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تیرا ایک درجہ بلند فرماتے ہیں اور تیری ایک خطا معاف فرماتے ہیں ۔ (مسلم شریف)

اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صاحب جبروت سلاطین نے اولیاء اللہ کے درباروں میں (جو بارگاہ خداوندی میں سربسجود رہنے کے عادی بن چکے ہیں) عاجزانہ خاکسارانہ حاضری کو اپنی سعادت سمجھتا ہے اور خادمانہ حاضری دی ہے ۔ تو جب دنیا میں نمازی آدمی کا یہ مرتبہ و مقام آنکھوں کا مشاہدہ ہے تو پھر ان کے اخروی مراتب و درجات کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے ؟ اس کے علاوہ نمازی دین دار متقی پرہیزگار شخص کا ہر شخص لحاظ کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے ۔ اور بے نمازی فاسق و گنہگار کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتا یہ روزمرہ کا تجربہ ہے ۔

یہ میں نے چند فائدوں کی طرف اجمالی اشارہ کیا ہے تاکہ کوئی شخص بھی

نماز جیسی سعادت عظمیٰ دولت کبریٰ اور مرتبہ علیا سے محروم نہ رہے۔ چوبیس گھنٹوں میں پانچوں نمازوں میں سوا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا جو اس نعمت اور سعادت کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ جب کہ ہم فضول کاموں اور بے کار باتوں میں روزانہ اس سے بہت زیادہ وقت برباد کر دیتے ہیں۔ مگر یہ باتیں ان لوگوں کی سمجھ میں مشکل سے آئیں گی جن کے دماغوں میں فتور ہے اور ان کے قلوب گناہوں اور خطاؤں کی کثرت کی وجہ سے بالکل مسخ ہو چکے ہیں شقاوت و قساوت کے پردے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں اور سرکشی و طغیانی کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب اور کانوں پر مہر لگائی ہوئی ہے اور ان کی آنکھوں پر جہالت و ضلالت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

تیسرا رکن رمضان شریف کے روزے رکھنا

لذات اور شہوات کے ترک کے لئے حکمائے مرتاضین اور راہبوں نے بڑے سخت سے سخت مجاہدے کئے اور ریاضت و مشقت برداشت کی ہے۔ برسوں ترک لذات کے مجاہدے کرتے تھے۔ جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ضعیف الجسم نحیف و نزار ہو جاتے تھے۔ ان کی نسل منقطع ہو جاتی تھی۔ دنیا کی نعمتوں سے محروم بھی رہتے تھے اور بیشتر اپنے مقاصد میں بھی ناکام رہتے تھے۔ کیوں کہ غیر فطری امر پر نفس مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہر شخص اس کی طاقت رکھتا ہے۔

کہ لذات وشہوات کو بالکل ترک کردے۔ اسلام نے لذات اور شہوات کے ترک کے لئے "روزہ" تلقین فرمایا جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانا، پینا اور جماع کو چھوڑ دے کیونکہ امہات لذات یہی تین چیزیں ہیں باقی لذتیں ان ہی کی فرع ہیں۔ پس جب کوئی اسباب لذت کو چھوڑ دے گا تو نفس کی سرکشی ضرور کم ہوگی اور عصیان ونافرمانی اور طغیانی وسرکشی کا مادہ ضرور مغلوب اور مقہور ہو جائے گا۔ اور اس میں ایک گونہ اعتدال کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

اس مجاہدہ وریاضت کو ہر شخص کر سکتا ہے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور خلاف عقل وفطرت بھی نہیں ہے بلکہ محدود وقت کے لئے نفس کو قابو میں رکھنا عین فطری تقاضا ہے جانوروں کی طرح ہر وقت چرنا فطرت انسانی کے خلاف ہے اور انسان کو معطل وبے کار بنا دیتا ہے۔ معدہ کی اصلاح اور صحت جسمانی کے لئے بھی کبھی کبھی فاقہ کرنا ضروری امر ہے۔ یہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر مزید فضل واحسان ہے۔ جو امر انسان کی صحت جسمانی اور روحانی اور نفس کی پاکیزگی اور صفائی وستھرائی کے لئے ضروری اور لابدی تھا اس کا اپنی جانب سے حکم فرما کر اس کو اہم عبادت وطاعت قرار دے دیا اور تقرب خداوندی اور رضائے الٰہی کا اعلیٰ ذریعہ بنا دیا اور اس پر بھی اس کے لئے بے شمار اجر وثواب کا وعدہ فرما لیا۔ سہل ہیں ہمارے جسمانی اور روحانی امراض کے ازالہ اور دفعیہ کے لئے دیا جائے تاکہ جسم اور نفس کے اندرون سے مادۂ فاسد خارج ہو کر صحت یاب، پاک وصاف ہو جائے اور پھر اس پر ہمیں مزید

انعام بھی دیا جائے اور ہمالا اعزاز و اکرام بھی کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر انسان پر اور حق تعالیٰ کا کیا احسان ہو سکتا ہے؟ پھر اس میں بھی ہر نوع کی سہولت و آسانی رکھی گئی ہے کہ مجاہدہ و ریاضت بھی تمام ہو جائے اور انسان کو کسی قسم کی مشقت اور ناگواری بھی نہ ہو۔ سال بھر میں صرف ایک مہینہ کے لئے روزوں کا حکم دیا گیا اور مہینہ بھی وہ منتخب کیا گیا جو طبعی طور پر خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ خود بخود اس میں نیکی کی جانب رجحان و میلان ہوتا ہے اور وہ رمضان شریف کا مبارک مہینہ ہے جو ازل سے اشرف زمان قرار دیا ہوا ہے اسی میں الہامی کتابیں نازل کی گئی ہیں اور اسی میں ملاء اعلیٰ سے بیکرانِ رحمتوں کا نزول و ورود ہوتا ہے جو کسی خاص موسم کے ساتھ مقید نہیں کبھی جاڑوں میں آتا ہے اور کبھی سردیوں میں غرض ہر موسم میں دائر سائر رہتا ہے تاکہ سردی و گرمی اور آسانی و دشواری ہر لذت سے آشنا ہو جائے۔ اور روزہ کے لئے دن کا وقت مقرر فرمایا تاکہ مجاہدہ کا پورا فائدہ ہو جائے۔ کیوں کہ مجاہدہ ترک عادت کا نام ہے۔ اور کھانے پینے کی عادت عموماً دن کو ہی ہوتی ہے۔ اگر یہ ممانعت رات کو ہوتی تو خبر بھی نہ ہوتی اور نہ کچھ نفس پر شاق گذرتا اور مجاہدہ و ریاضت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ جوگیوں سنیاسیوں اور راہبوں کی طرح شب و روز روزہ رکھنے میں ضعیف و کمزور ہو کر ــــ بالکل بے کار ہو جاتا اور تمام قویٰ مضمحل اور بے کار ہو جاتے حالانکہ شریعت کا مقصود قوت شہویہ کا بالکلیہ ازالہ نہیں بلکہ مقصود اس میں اعتدال پیدا کر کے اس کی مضرت کا ازالہ ہے اور اس کے مفاسد سے نفس انسانی کی حفاظت ہے۔ اسی لئے شریعت میں

صوم وصال کی ممانعت آئی ہے۔ پھر صرف دن کا روزہ مقرر کرنے میں ریاضت ومشقت بھی زیادہ ہے کیوں کہ ایک دم لذات چھوڑ دینے میں نفس کو اس قدر گرانی نہیں ہوتی۔ کچھ مدت کے بعد نفس اسی کا خوگر ہو جاتا ہے۔ بخلاف روزہ کی موجودہ صورت کے کہ اس میں رات کو ہر کھانے پینے جماع کی لذت سے بخوبی منتفع ہوتا ہے پھر ایک دم دن کو تمام لذتوں کو چھوڑنا نفس پر زیادہ شاق گذرتا ہے جس کا رات کو مزہ چکھا تھا۔

پھر اس انفرادی عبادت میں بھی اجتماعی شان کو برقرار رکھا گیا۔ ایک ساتھ ایک وقت میں روزہ رکھنا اور ایک ساتھ ایک ہی وقت میں افطار کرنا اور ایک ہی ایام میں رکھنا تاکہ اس میں اجتماعی شان بھی رہے اور اس اجتماعیت کی وجہ سے سہولت وآسانی بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان شریف میں پورے مہینہ کے روزے رکھنے میں اتنی گرانی اور دشواری نہیں ہوتی جتنا رمضان المبارک کے علاوہ تنہا ایک روزہ رکھنے میں گرانی ودشواری ہوتی ہے۔ بلکہ اس اجتماعیت کی وجہ سے رمضان شریف میں روزے نہ رکھنا غیرت وحمیت والے کے لئے زیادہ گراں اور شاق گذرتا ہے۔

انسانی عقول کی ان حکمتوں تک کب رسائی ہو سکتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح روزہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

الصوم ترياق عظيم يقوى الايمان ويقمع آلة صالحة	روزہ ایک تریاق عظیم ہے جو ایمان کو قوی کرتا ہے اور عبادت گذاری کا ایک بہترین

للتحميد ويشفع من البلاء و فتنة القبر و فتنة جهنم ويوصل الى باب الريان ويكسر حجاب الطبع كسراً عظيماً قال عليه الصلوٰة والسلام فان الصوم له وجاء وحجاب سوء المعرفة فانه ينقى القوى العلمية تنقيةً بالغة. واذا جعل من شعائر الله نفع عن غوائل الرسوم. واذا تصدى لتصحيح الملة وجب لا محالة ان يكون مدة غير قليلة ولا كثيرة يكثرون فيها اجمعون الذكر والتلاوة والصوم والصدقة والصلاة. وذلك لانهم لا يستطيعون ادامة هذه الحالة مطلقاً فلا بد من ادامتها في هذه المدة. وما لا يدرك كله لا يترك كله

طریقہ ہے جو بلا اور فتنہ قبر اور فتنہ جہنم سے حفاظت کرتا ہے اور بہشت کے خصوصی دروازہ ریان تک پہنچاتا ہے اور طبیعت کے حجاب کو پوری طرح چاک کرتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ روزہ اس کے لئے سپر ہے اور سوئے معرفت کے حجاب کو چاک کرتا ہے کیوں کہ وہ قوی علمیہ کا پورا تنقیہ کر دیتا ہے اور جب شعائر الٰہی سے شمار ہو گیا ہے تو رسوم کے اثرات سے بچاتا ہے اور جب روزہ پوری ملت کو صحیح راستہ پہ قائم رکھنے کے لئے ہے تو لا محالہ وہ ایسی مدت کا ہوگا جو نہ قلیل ہو اور نہ زیادہ ہو جس میں سب کے سب مل کر ذکر اللہ۔ تلاوت روزہ۔ صدقہ اور نماز کی کثرت کریں اور یہ اس لئے کہ یہ امر ان کی استطاعت سے باہر ہے کہ وہ مطلقاً اس حالت پر مداومت رکھیں تو ضروری ہوا کہ اس مخصوص مدت میں اس حالت پہ مداومت رکھیں اگر کل کا حصول نہ ہو تو کل کا ترک بھی نہ ہو

وهذا معنى كون الصوم جنة - واذا انتظم امر الملة على هذا النحو صدق ان الشياطين تسلسل في رمضان وان ابواب جهنم تغلق وان ابواب الجنة تفتح - وحقيقة الصوم امساك من اللذات الثلاث الاكل والشرب والجماع من ابتداء تبيين الفجر وانتشار اشعة الصبح الى غروب الشمس ويتمكن بالصيام ترك الكذب والغيبة والمشاتمة

(البدور البازغة ص٢١٦)

اور یہی معنی روزہ کے ڈھال ہونے کے ہیں۔ اور جب پوری ملت کا کام اس طرز پر مشتمل ہوگیا تو یہ بات سچ ہوگئی کہ رمضان میں شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور روزہ کی حقیقت کھانے پینے اور جماع تینوں لذتوں سے بچنا ہے فجر کے ظاہر ہونے اور صبح کی شعاعوں کے پھیلنے سے لے کر غروب آفتاب تک اور روزہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹ اور غیبت اور باہم گالی گلوچ کے ترک کی پوری تاکید ہوجاتی ہے۔

(البدور البازغة ص٢١٦)

محض بھوکا رہنا بھی نفس انسانی کی پاکیزگی اور صفائی وستھرائی کے لیے ضروری ہے۔ اس سے قویٰ علمیہ اور قویٰ فکریہ میں جلا اور صفائی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تمام حکماء اور دانشمندوں کا متفقہ فیصلہ اور تجربہ ہے اس سے تو کسی حال میں بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس حیثیت اور نوعیت کے ساتھ

روزے کی مشروعیت نے اس میں تعبدی شان پیدا کر دی اور شعائر خداوندی سے ہو گیا جس کی وجہ سے نفوس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہو کر ایک صالح ملت وجود میں آگئی جو خود بھی پاکیزہ و نظیف ہے اور دوسروں کی پاکیزگی اور نظافت کی بھی ذمہ دار ہے۔ چوں کہ نفوس انسانی کی عمومی اصلاح و درستی روزہ کے بغیر دشوار تھی اس لئے ہر مذہب و ملت میں کسی نہ کسی حیثیت سے روزے کا وجود ضرور پایا جاتا ہے۔ اسلام چونکہ تمام ملل و مذاہب کے عمدہ اعمال پر مشتمل ہے اس لئے اسلامی روزہ میں قدرتی طور پر وہ تمام خوبیاں آگئیں جو دیگر مذاہب کے روزوں میں پائی جاتی ہیں اور ان سارے مفاسد کا سد باب ہو گیا جو اس عبادت میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

اے ایمان والو فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم تقوی حاصل کرو۔

پس روزے کی اصل تقوی و پرہیزگاری کا عام کرنا ہے جس سے پوری انسانیت کی نجات وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ تقوی و پرہیزگاری ان کا ملی شعار بن جائے اور دیگر عوام سے ان کو امتیاز حاصل ہو جائے روزے کی وجہ سے تقوی حاصل ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ اس کی وجہ سے نفس کو اس کے مالوفات اور مرغوبات کے روکنے کی مشق ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے روزہ دار دن بھر معتاد امور سے باز رہتا ہے جس کی وجہ سے ضبط نفس کی ورزش ہوتی ہے جو تقوے کی اصل ہے۔ دوسرے یہ کہ بیشتر گناہ قوت شہویہ

اور قوت غضبیہ کی زیادتی کی وجہ سے ہوتے ہیں روزہ ان دونوں کے زور کو کم کرتا ہے۔ کیوں کہ شہوت اور غضب ان دونوں کا مدار قوت مزاج اور متانت روح پر ہے روح کھانے پینے سے پرورش پاتی ہے۔ جب کھانے پینے میں کمی واقع ہوگی تو روح نرم اور رقیق ہو جائے گی اور اس میں شہوت و غضب کو نافذ کرنے کی طاقت نہ رہے گی اور اضطراری طور پر یہ دونوں بری عادتیں چھوٹ جائیں گی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پہلے لوگوں کا روزہ عشا سے لے کر اگلی رات تک تھا۔ اور یہی روزہ ابتدائے اسلام میں رائج تھا (نزھۃ الناظرین) امت مسلمہ پر یہ سہولت و آسانی کر دی گئی کہ رات کا وقت خارج کر کے صرف دن کا روزہ مقرر کر دیا گیا۔

فرض روزوں کے لئے رمضان شریف کا انتخاب

علماء کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ ہماری طرح نصاری پر بھی رمضان شریف کے روزے فرض تھے۔ لیکن رمضان شریف کبھی سخت گرمی میں آتا تھا اور کبھی سخت سردی میں اس کی وجہ سے ان کو سفروں میں دشواری ہوتی تھی اور معاشی ضرر لاحق ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ روزے ایسے موسم میں کر لئے جائیں جو معتدل ہو نہ زیادہ سردی ہو اور نہ زیادہ گرمی ہو۔ اور روزوں کے لئے موسم ربیع انتخاب کر لیا۔ اور اس تغیر کے کفارہ میں دس روزوں کا اضافہ کر لیا اور روزوں کی مدت چالیس دن ہو گئی۔ اس کے بعد ایک نصرانی بادشاہ کو منہ کی بیماری لاحق ہو گئی تو اس نے منت مانی کہ اگر اس بیماری سے شفا ہو گئی تو روزوں

کے ایام میں ایک ہفتہ کا اضافہ کروں گا۔ جب میں شفایاب ہوگیا تو اس نے ان ایام میں ایک ہفتہ کا اضافہ کر دیا۔ اس بادشاہ کی وفات کے بعد جب دوسرا بادشاہ ہوا تو اس نے پورے پچاس کا حکم دے دیا۔ اس طرح نصاریٰ اپنی کج فہمی اور کج روی کی وجہ سے رمضان المبارک کی خیر و برکات سے بھی محروم ہوگئے۔ اور روزوں کا دستور بھی اس قوم سے اجتماعی طور پر ختم ہوگیا۔ شاذ و نادر ہی کچھ راہب لوگ ایسے ہوں گے جو روزے رکھتے ہوں گے۔ ان کی عمومی زندگی سے روزہ کی عبادت بالکل خارج ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں یورپ کی اقوام نے عموماً اپنے خواہش نفسانی کو اپنا معبود اور مطلوب بنایا ہوا ہے جو کچھ سعی عمل اور جد و جہد ہے لذات نفسانی کے حصول کے لئے ہے۔ خدا ترسی اور خدا پرستی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی اس قوم میں مفقود ہی نہیں۔ تقریباً معدوم ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ عیسائی علماء اور راہبوں نے مذہب عیسوی میں سخت تحریفات کر دی ہیں اور وہ عقل و فہم سے اس قدر بعید ہوگیا ہے کہ اس آزادی فکر کے زمانہ میں ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہے۔ سمجھدار طبیعتیں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل اور لطف و احسان سے مسلمانوں کو رمضان المبارک کی خیر و برکات سے بھی سرفراز فرمایا اور اس مبارک مہینہ میں روزوں کا حکم فرمایا اور کثرت عبادات و طاعات کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ	رمضان کا مہینہ جس میں وہ قرآن نازل
اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی	کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور

لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ (سورہ بقرہ)

واضح دلائل ہیں ان کتب سے جو ہدایت ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہیں۔ پس جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو اس کو ضرور روزہ رکھنا چاہئے۔

اس میں بھی انسانی فطری ضعف کا خیال رکھا گیا اور اس کے لئے پوری آسانی کی گئی تاکہ کسی مشقت و دشواری میں مبتلا ہو کر اطاعت و انقیاد سے روگردانی نہ کرے چنانچہ مریض اور مسافر کو حالت مرض اور حالت سفر میں رمضان شریف میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی گئی اور اس کو بعد میں قضا کا حکم دے دیا گیا۔ آگے ارشاد ہے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (سورہ بقرۃ)

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں ہے۔

اگر بیمار ہو اور روزہ کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہو یا سفر میں ہو جس کی تعداد تین منزل یعنی تقریباً چالیس ۴۰ - پینتالیس ۴۵ میل ہے تو رمضان شریف میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اس وقت روزے نہ رکھے اور رمضان کے بعد جب سہولت و آسانی ہو ایک دم یا متفرق ان روزوں کی قضا کرے۔

اس وقت یہ رمضان المبارک میں روزے نہ رکھنے والا بھی روزہ داروں

ہی میں شمار ہوگا کیوں کہ اس نے حکم خداوندی سے روزہ کھولا ہے اور مطیعین میں اس کا شمار ہوگا۔ اس سے زیادہ رحمت وشفقت اور آسانی وسہولت اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس ماہ مبارک کے۔ روزے رکھنا تو تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے لئے لابدی اور ضروری امر تھا کیوں کہ اس ماہ میں انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے پروردگار عالم خالق مخلوقات نے ان کے پاس ہدایت ربانی اور دستور خداوندی نازل فرمایا ہے جو ان کو غلط باطل راستوں سے ہٹا کر زندگی اور بندگی کے صحیح حق راستے پر استوار قائم کردے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ کی شکر گذاری ادا نہ کی جائے اور اس ماہ محترم کا غائیت اعزاز احترام واہتمام نہ کیا جائے اور اس کے تمام اوقات کو طاعت و عبادت میں بسر نہ کیا جائے۔ قرآن مجید جو ہدایت ربانی اور دستور خداوندی ہے۔ اس کے نازل ہونے کا اصل تقاضہ یہ تھا کہ خدا کے بندے سب کچھ چھوڑ کر ہمہ تن اس کی تعمیل میں لگ جائیں اور کسی لمحہ اس سے غافل نہ رہیں لیکن اس میں نوع انسانی کے لئے دشواری تھی۔ اور معاشی کاروبار کا تعطل لازم آتا تھا جب افراد انسانی اسکو اختیار نہ کرسکتے تھے اس لئے بندوں کی سہولت وآسانی کے لئے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک مہینہ اور وہ بھی وہی مہینہ جس میں یہ ہدایت نامہ نازل کیا گیا ہے۔ طاعت وعبادت۔ توبہ واستغفار اور انابت وتلاوت کے لئے مقرر فرمادیا تاکہ اس ایک ماہ کی ریاضت اور مجاہدے کے اثرات وثمرات سارے سال باقی رہیں۔ چنانچہ یہ مشاہدہ اور بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اس ماہ کے مجاہدہ وریاضت کا اثر تمام سال پر پڑتا ہے اور پورے سال امور خیر کی

فراوانی رہتی ہے۔ اور اگر اس ماہ مبارک کو ضائع کیا ہے تو پورا سال ضائع ہی جاتا ہے۔ پھر مزید سہولت و آسانی یہ کہ اس ماہ میں بھی روزوں کی حالت میں دنیوی مادی کاروبار کو معطل اور بے کار نہیں چھوڑا گیا۔ روزہ کی حالت میں صرف کھانے پینے اور جماع سے روکا گیا ہے اور معصیت و نافرمانی کے کاموں سے روکا گیا ہے۔ ان امور سے بچنے کے بعد روزہ کی حالت میں ہر کاروبار لین دین کر سکتا ہے۔ جو بھی کام خدا اور رسول کے حکم کے موافق انجام دے گا وہ عین طاعت و عبادت ہے اور رضاء الٰہی اور تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ بلکہ کاروباری مشقت کی حالت میں روزہ کا اجر و ثواب اور بھی زیادہ ہے۔ نماز بھی عبادت ہے اور روزہ بھی عبادت ہے۔ لیکن نماز چلنے پھرنے بات کرنے اور دنیوی کاروبار کرنے سے فاسد ہو جاتی ہے۔ اور روزہ ایسی عبادت ہے جس میں چلنا پھرنا کلام کرنا معاشی کاروبار کرنا بھی مفاہم نہیں ہے کاروبار بھی ہو رہا ہے اور عبادت بھی ہو رہی ہے۔ اس طرح عبادت میں تنوع بھی پیدا ہو گیا اور عبادت کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا۔

"روزہ کے شرائط اور آداب"

کھانے پینے اور جماع سے اگر روزہ کی نیت سے صبح صادق کے طلوع کے بعد سے غروب آفتاب تک رکا رہا تو شرعی عبادت پوری ہو گئی اور روزہ تام ہو گیا اور فریضۂ خداوندی ذمہ سے ادا ہو گیا۔ لیکن چوں کہ یہ ایک عبادت ہے اور اہم عبادت خداوندی ہے۔ اس لئے اس کے اصل ثمرات و نتائج اسی وقت نمودار ہوں گے جب اس کے آداب و شرائط کو بخوبی ادا کرے گا

اور روزہ کو روزہ کی طرح ادا کرے گا۔ اگر روزہ کے آداب و شرائط کا خیال نہ رکھا تو یہ محض بھوک پیاس کی مشقت رہ جائے گی۔ نسائی شریف اور سننِ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رب صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع۔ (تنزیہ الناظرین بروایت نسائی و ابن ماجہ)

بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے روزہ سے ان کے لئے بھوک کے سوا کچھ نہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس روزہ دار کا حال ہے جو حرام مال سے روزہ افطار کرے اور وہ روزہ دار ہے جو روزہ میں حلال چیزوں سے تو بچے لیکن لوگوں کا حرام گوشت غیبت کی وجہ سے کھاتا رہے کیوں کہ جو شخص کسی کی غیبت کرتا ہے وہ درحقیقت اس کا گوشت کھاتا ہے۔ کس قدر ظلم ہے کہ حلال جانوروں کے گوشت سے تو بچے اور انسانی گوشت کھاتا رہے جو قطعی حرام ہے۔ اور وہ شخص ہے جو روزہ کی حالت میں اپنے جوارح اور اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے جو روزہ کے بغیر بھی اس کے لئے کسی طرح حلال نہ تھے۔ جب روزہ میں ان چیزوں سے بھی روکا گیا ہے جو حلال و طیب تھیں تو ان امور کی ممانعت تو اور زیادہ ہو گئی۔ جو بے روزہ بھی حرام تھے۔

جس روزہ میں محرمات شرعیہ سے بچنے کا التزام نہ کیا جائے اور خداوندی احکام کی نافرمانی کی جائے وہ بارگاہ خداوندی میں پذیرائی کے قابل کس طرح ہو سکتا ہے؟ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص جھوٹ بات اور اسکے

مطابق عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھڑانے کی کوئی حاجت نہیں،" (نزھۃ) کیوں کہ روزے سے مقصود محض ترک لذات نہیں ہے بلکہ ترک محظورات کی مشق ہے۔ تاکہ نفس انسانی سے سرکشی کا مادہ کم ہو کر اطاعت و انقیاد سے اس کی تربیت ہو جائے۔ اسی لئے روزہ میں بے ہودہ گوئی سخت کلامی اور خانہ جنگی کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی صائم (بخاری ومسلم)	جب تم میں کسی کا روزہ کا دن ہو تو نہ بے ہودہ بکواس کرے اور نہ شور مچائے پھر اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے قتال کرے تو چاہئے کہ اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

اپنے نفس کو بھی یہی سمجھا کر ٹھنڈا کرے کہ میں روزہ دار ہوں مجھے اس سے بدلہ نہ لینا چاہئے اور اپنے مقابل کو بھی یہی کہہ کر اس کا غصہ فرو کرے کہ بھائی روزہ دار ہوں مجھ سے نہ جھگڑو۔ غرض یہ ہے اصل روزہ کہ اپنے کو حرام کاموں اور حرام باتوں سے بچائے اور طاعت میں مشغول رہے۔ جو شخص اس طرح رمضان شریف کے روزے رکھے اس کے حقوق و شرائط کی پابندی کرے گا اور ہر غیر مناسب امر سے پرہیز کرے گا تو پھر اس کی باطنی پاکیزگی اور صفائی میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ سابقہ برے اثرات یقیناً اس سے زائل ہو جائیں گے۔

صحیح ابن حبان میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے رکھے اس کے حقوق کو پہچانے اور جن امور سے بچنا چاہیئے ان سے اپنی حفاظت کرے تو یہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے (نزھہ) اور وہ امور محض کھانے پینے اور جماع کا ترک نہیں بلکہ ان امور کا بھی ترک ہے جو روزہ کو قبولیت کے قابل نہیں رکھتے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ پانچ امور روزہ کو فاسد کر دیتے ہیں۔ (۱) جھوٹ (۲) غیبت (۳) چغل خوری (۴) جھوٹی قسم اور (۵) شہوت کے ساتھ نظر (احیاء العلوم) ساری خرابیوں کی جڑ یہی امور ہیں۔ پھر یہ روزہ کو کس طرح صحیح سالم رکھ سکتے ہیں؟

روزہ کا اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ ان امور کے علاوہ اپنے قلب کو بھی دلی خیالات اور دنیوی فکرات سے روکے اور ہر ماسوا اللہ تعالیٰ سے بالکلیہ باز رکھے۔

پس روزہ کے تین مراتب ہوئے ایک کھانے پینے جماع ظاہری مفسدات روزہ سے بچنا ہو عوام کا روزہ ہے۔ دوسرے اپنے جوارح کو بھی محرمات شرعیہ سے بچانا۔ یہ خواص کا روزہ ہے۔ تیسرے اپنے قلب کو بھی ماسوا اللہ تعالیٰ سے بچانا یہ اخص خواص کا روزہ ہے اور ان ہی مراتب کے مطابق روزوں کے ثمرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اثرات و ثمرات سے کوئی بھی روزہ خالی نہیں ہے۔ نفس کی تربیت ہر ایک سے ہوتی ہے۔ تھوڑی ہو یا بہت یا بہت زیادہ۔

رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت۔ قیام لیالی اور اعتکاف

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ رمضان شریف کا مہینہ درحقیقت قرآن مجید کے نزول ورود کا استقبال عام ہے اور اس کے مقتضا کے مطابق پوری

زندگی بسر کرنے کی مشق و ریاضت ہے تو لامحالہ اس ماہ مبارک میں افضل ترین عبادت وطاعت اور اہم ترین مشغلہ قرآن پاک کی تلاوت کی کثرت ہے۔ جس قدر کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہوگی اسی قدر کلام ربانی اور وحی الٰہی کے انوار و برکات قلب میں سمائیں گے اور جس قدر ان کے مطالب اور معانی پر غور و تدبر ہوگا اسی قدر عملی جذبات برانگیختہ ہوں گے اور امور خیر کی جانب میلان و رجحان ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ امور خیر کی جانب سبقت کرنے والے تھے۔ اور ماہ رمضان میں یہ سبقت اور مہینوں سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں آپ سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سناتے تھے (نزہۃ الناظرین)

روزہ اور قرآن مجید دونوں روز حشر انسان کے لئے سفارشی ہوں گے پس اگر یہ دونوں سفارشی ایک ساتھ جمع ہو جائیں گے تو سفارش زیادہ قوی ہو جائے گی۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں روز حشر بندہ کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ پروردگار میں نے اس کو کھانے پینے اور شہوت سے روکا اب آپ اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمائیں۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کے سونے سے باز رکھا آپ اس کے بارہ میں میری سفارش قبول فرماویں۔ فرمایا اس وقت ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (نزھہ)

یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں قیام لیالی اور تلاوت قرآن اہتمام بالشان عبادت ہے۔ قیام لیالی یعنی نماز تراویح جس کی احناف کے یہاں بیس رکعت ہیں مستقل عبادت ہے اور ان میں پورا قرآن مجید پڑھنا یا سننا مستقل عبادت ہے۔ اور یہ دونوں مستقل اہم عبادتیں مسلمانوں ہی سے ہر سال ادا کرائی جاتی ہیں اور اجتماعی شان سے مساجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرائی جاتی ہیں۔ تاکہ نوع انسانی کی جانب سے قرآن مجید جیسی عظیم الشان نعمت کے نزول کی فی الجملہ قدردانی اور شکر گذاری ادا ہو جائے ورنہ تمام انسان ناقدری کے جرم میں گرفتار ہوتے۔ پھر جس شب میں قرآن مجید نازل فرمایا گیا اس شب کو مزید عظمت و فوقیت عطا کی گئی اور وہ شب قدر ہے جس میں لوح محفوظ سے یہ کلام ربانی نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ
خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ
وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ
أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

بے شک نازل کیا ہے ہم نے قرآن کو شب قدر میں اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ شب قدر کی شان کیا ہے۔ شب قدر ہزار ماہ سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو) اس شب میں فرشتے اور ارواح اللہ کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں امن و سلامتی ہے ہر شر سے یہ طلوع فجر تک ہے۔

اب خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو نزول قرآن والی اس ایک شب

میں حق تعالیٰ کی عبادت کرے گا وہ کس قدر انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہوگا۔ ایک ہی رات کی عبادت ہزار مہینوں کی راتوں کی عبادت و طاعت سے افضل و اعلیٰ ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے بنو اسرائیل کے زاہدوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ اسی دوران شمعون یا سمنون راہب کا ذکر فرمایا۔ جو بنی اسرائیل کا مشہور زاہد گذرا ہے جس کی کثرت عبادت ضرب المثل ہے جو پورے ایک ہزار ماہ عبادت میں مشغول رہا دن میں روزہ رکھتا تھا یا کافروں سے جہاد کرتا تھا اور راتوں کو نماز پڑھتا تھا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کس طرح اس شخص کے ثواب کو پہنچ سکتے ہیں جب کہ ہماری عمروں کا اوسط ساٹھ سے ستر تک ہے اس میں سے بھی تہائی حصہ خواب میں بسر کرتے ہیں اور ایک حصہ اسباب معاش اور مادی حاجات میں صرف کرتے ہیں" اور ایک حصہ امراض و آلام اور غفلت و سستی میں ضائع ہو جاتا ہے۔ عبادت خداوندی کے لیے تو بہت تھوڑا وقت باقی رہ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کی اس بات کے سننے کے بعد رنج و فکر لاحق ہوا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس وقت یہ سورت نازل فرمائی یعنی اگرچہ تمہاری عمروں کا اوسط کم ہے اور تمہارے ذمہ دیگر فرائض اور ضروریات کی ادائیگی بھی ہے۔ لیکن امت مسلمہ تمہیں شب قدر ایسی سعادت عظمیٰ عطا کی گئی ہے کہ اس ایک ہی رات کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔

شب قدر کو شب قدر دو وجہ سے کہتے ہیں۔

اوّل یہ کہ قدر کے معنی مقدار اور مرتبہ ہیں اور اس رات میں تمام بنی آدم کے عباد و صلحا کے مراتب اور مقامات کا اظہار ہوتا ہے کہ کس کو بارگاہ خداوندی میں کس قدر قرب و منزلت حاصل ہے گویا اس رات تمام سال کی عبادت و طاعت کے ثمرات کا ظہور ہوتا ہے اور ملائکہ و ارواح کو ہر ایک کے مقام و مرتبہ سے مطلع کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قدر کے معنی بزرگی ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ذوالقدر ہے یعنی صاحب عزت و شرف ہے اور یہ رات تمام دیگر راتوں سے عظمت و بزرگی میں فائق و بالاتر ہے۔ کیوں کہ اس رات میں شام سے صبح تک حق سبحانہ کی خصوصی تجلّی اپنے بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے اور فرشتے اور صالحین کی ارواح عبادت گذار بندوں کے دیدار اور ملاقات کے لیئے عالم علوی سے عالم سفلی میں نازل ہوتے ہیں۔ اور قرآن مجید کا نزول بھی اسی رات میں ہوا ہے۔

"اعتکاف" ایسی عظیم الشان عالی شان مہتم بالشان رات کی طلب و جستجو انسان کا فطری اور طبعی تقاضا ہے تاکہ رحمت خداوندی کے آغوش میں آجائے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے اس طلب و جستجو کے لئے رمضان المبارک کا آخری عشرہ مقرر فرما دیا۔ کیوں کہ شب قدر بیشتر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ یہ "اعتکاف" ہے یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایام شب قدر کی طلب و جستجو میں خانہ خدا میں بیٹھ کر شب و روز خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں گذارے اور ان ایام میں خدا تعالیٰ کا

مہمان بنا رہے۔ غرض علاج کبر و بڑائی کے لیے نماز اور ترک لذات و شہوات کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا جن سے نفس انسانی کا اچھی طرح تزکیہ ہو جاتا ہے۔ لیکن تزکیہ نفس کے لئے خلوت بھی معین ہوتی ہے اور حکماء اور راہبوں نے اس کے لئے برسہا برس بلکہ اپنی عمریں خلوت میں گذاری ہیں جس میں دشواری ہے۔ تمدن و معاشرت کی بیخ کنی اور تعطل ہے اور فطرت انسانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس میں کامیابی بھی مشکل ہے۔ اسلام میں خلوت کے لئے صرف رمضان شریف کا آخری عشرہ مقرر فرمایا گیا ہے جس میں رمضان اور روزہ کے انوار و برکات بھی ہیں اور شب قدر ہونے کی وجہ سے ہزار مہینہ کی خلوت سے بھی زیادہ موجب خیر و برکات ہے اور اس دس روزہ خلوت میں بھی بالکل ترک تعلق ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ کسی سے طو او بات کرو بلکہ صرف ناجنس کے اختلاط سے باز رکھا گیا ہے۔ اسی لئے اعتکاف کے لئے مسجد میں ہونا ضروری ہے تاکہ ناجنسوں سے ہر طرح محفوظ رہے۔ اور ہم جنس نیک لوگوں کی صحبت تزکیہ نفس میں کبھی رکاوٹ نہیں ہو سکتی بلکہ اور زیادہ معین ہوتی ہے۔ مگر یہ دولت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ اسی کو ملتی ہے جسے اللہ و رسول پر ایمان و یقین ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہیں وہ یہ سعادت عظمیٰ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟

"رمضان المبارک میں مراتب اور درجات کی ترقی"

رمضان المبارک کا مہینہ عام مغفرت و معافی کا مہینہ ہے جس میں گناہوں اور خطاؤں کے اثرات و نشانات مٹ کر قلب صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور نفس انسانی کا اچھی طرح تزکیہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے۔

من صامَ رمضان ایماناً واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (صحیحین)

جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور اس کو اللہ پر یقین اور اس کے ثواب کی امید ہو تو اسکے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔" میری امت کو ماہ رمضان میں پانچ خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں گئیں۔

ایک یہ کہ ماہ رمضان کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت عطا فرماتے ہیں۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہو گئی اس کو وہ کبھی عذاب نہ دیں گے۔

دوسرے یہ کہ روزہ داروں کی شام کے وقت کی منہ کی بدبو بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے۔

تیسرے یہ کہ فرشتے ان کے لیے ہر شب و روز دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اللہ عزوجل جنت کو حکم فرماتے ہیں کہ میرے ان بندوں کے لئے خوب آراستہ اور تیار ہو جا عنقریب یہ دنیا کی مشقت سے راحت حاصل کرنے کے لیے میرے گھر میں اور میرے اعزاز و اکرام میں آئیں گے۔

پانچویں یہ کہ جب روزوں کا آخری دن ہوتا ہے تو ان سب روزہ داروں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا کیا وہ شب قدر ہے؟

ارشاد فرمایا نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اجیر لوگ کام کرتے ہیں پھر جب وہ کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کی اجرت پوری پوری دے دی جاتی ہیں (بیہقی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ماہ رمضان کی ہر رات میں افطار کے وقت ایک لاکھ نفوس دوزخ سے رہا کر دیئے جاتے ہیں جو سب کے سب جہنم کے سزاوار تھے۔ پھر جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو اس دن میں اللہ تعالیٰ جہنم سے اس قدر لوگوں کو رہا فرماتے ہیں جتنا کہ اول ماہ سے آخر تک رہا کئے گئے ہیں (ترغیب از بیہقی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے رمضان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنیوالے کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرنیوالے کو رمضان میں ناکام نہیں کیا جاتا (ترغیب از بیہقی)

یہی نہیں بلکہ رمضان المبارک میں خیر کے اسباب میں افزونی کر دی جاتی ہے اور خیر کے ابواب کھول دیئے جاتے ہیں اور اسباب شر میں کمی کر دی جاتی ہے۔ اور شر کے ابواب کو مسدود کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے اللہ کے بندے امور خیر میں سبقت کریں اور شر فساد کے فتنہ سے محفوظ رہیں۔

صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا جاء رمضان فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین۔ (رواہ البخاری ومسلم)

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ رمضان المبارک میں گناہوں کی جانب میلان میں نمایاں کمی ہو جاتی ہے اور طاعات کی جانب رغبت میں اضافہ ہو جاتا

ہے ۔ پھر بھی رمضان المبارک میں جو شر و معاصی نظر آتے ہیں اور گناہوں کا صدور ہوتا ہے اس کا محرک نفس خبیث ہوتا ہے اور وہ بری عادتیں ہوتی ہیں جو پہلے سے طبیعت میں رسوخ پائے ہوئے ہیں ۔ یا پھر ان لوگوں کے شیاطین کے اثرات ہیں جو روزے نہیں رکھتے کیوں کہ یہ سارے اہتمام روزہ داروں کے اعزاز میں کیے گئے ہیں ۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ روزہ دار بیشتر گناہوں سے روزہ کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں ۔

روزہ داروں کی عام مغفرت و معافی اور ان کے نفوس کے تزکیہ اور تہذیب کے بعد ان کو کس قدر اجر و ثواب ملتا ہے اور کس قدر ان کے مراتب اور درجات بلند ہوتے ہیں ؟ یہ وہ علیم و خبیر ہی جانتا ہے جس کی خاطر اس نے اپنی لذات اور شہوات کو ترک کیا ہے

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابن آدم کا ہر عمل ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ اس کے علاوہ ہے کیوں کہ روزہ خالص میرے لئے ہے میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں میری ہی وجہ سے اس نے اپنی شہوت اپنے کھانے پینے کو چھوڑا ہے (بخاری و مسلم)

اس اعزاز و اکرام خداوندی کے بعد کون نادان رمضان شریف کے روزے چھوڑ سکتا ہے ؟ پھر جب یہ مہینہ بھر کا مجاہدہ و ریاضت ختم ہو جائے تو اس اہم فریضہ بندگی کی ادائیگی و شکر گذاری میں دو اور اہم عبادتیں عطا کی گئیں ایک یہ کہ ہر صاحب استطاعت صدقہ فطر ادا کرے تاکہ روزوں میں جو کوتاہی ہو گئی اس کی بذل مال سے فی الجملہ تلافی ہو جائے ۔ دوسرے یہ کہ تمام مسلمان اجتماعی طور پر دوگانہ عید ادا کریں

اور اللہ کے نام کو بلند کریں۔

یہ نماز اور روزہ بدنی عبادات ہیں جن سے ظاہری و باطنی پاکیزگی بخوبی حاصل ہوگئی۔ مال و دولت کے تزکیہ و تطہیر کے لئے مالداروں پر زکوٰۃ فرض کی گئی۔

"تیسرا رکن مال کی زکوٰۃ ادا کرنا"

تمام حکماء مرتاضین۔ جوگیون۔ سنیاسیوں اور راہبوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ مال کی محبت اندرون قلب سے نکالے بغیر نہ تزکیہ نفس حاصل ہوسکتا ہے اور نہ تہذیب اخلاق ہوسکتی ہے۔ تمام اخلاق رذیلہ اور برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ اور بنیاد یہی مال و دولت کے ساتھ محبت اور قرط تعلق ہے جس کا اصل منشاء نفس کی حرص و ہوس ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ پھر تمام عقلاء اور دانشوروں کو بھی اس پر اتفاق ہے کہ افراد اور اقوام کی اصل تباہی سرمایہ اور افراط زر ہے اسی لئے سرمایہ دارانہ نظام سے خلاصی کے لئے اشتراکی نظام قائم کیا گیا تاکہ قوم سرمایہ داری کی تباہی سے بچے اور دولت کی مساویانہ تقسیم ہو جو خود ہی عقل و فطرت کے خلاف ہے اور سرمایہ دارانہ نظام سے بھی بدتر اور ابتر ہے جس کے مفاسد آنکھوں کے سامنے ہیں کہ اشتراکی نظام کے باوجود نہ دولت کی صحیح تقسیم ہوسکی اور نہ ہوسکتی ہے اور نہ مساوات قائم ہوسکی اور نہ ہوسکتی ہے۔

غرض یہ امر مسلمات سے ہے کہ تمام مفاسد اور مظالم کی اصل بنیاد سرمایہ و دولت ہے۔ حکماء۔ مرتاضین۔ جوگیوں سنیاسیوں اور راہبوں نے بھی اس کے لئے جو

مجاہدے اور ریاضتیں کیں اور مشقتیں و محنت اٹھائی اس میں کوئی نمایاں کامیابی نہ ہوئی اور بہت کم شاذ و نادر افراد اپنے مقصد کو فی الجملہ حاصل کر سکے۔ پھر مال و دولت سے بالکلیہ بے تعلق ہو جانا نہ ہر شخص کے بس کی بات ہے اور نہ ہر شخص اس کو اختیار کر سکتا ہے۔ عمومی مرض کا عمومی مداوا نہیں ہے۔ اور دنیا کے عقلا اور دانشور بھی اس سلسلہ میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو ایک عمومی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اس کی ناکامی اور خرابی تو اسی سے ظاہر ہے کہ ہر روز اس میں نئی نئی اصلاحی ترمیمیں ہو رہی ہیں اور ابھی تک بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ہر نظریہ پہلے نظریہ کی تردید ہوتا ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس مال و دولت کے مفاسد اور مضار سے حفاظت کے لئے مال کی زکوٰۃ کو فرض فرمایا۔ اسی لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ مال کی مضرتوں کا ازالہ کر کے اس کا تزکیہ کرتا ہے تاکہ یہ نوع انسانی کو ضرر نہ پہنچائے۔ چنانچہ مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کو دین کا جزء اہم قرار دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔

اور نہیں حکم کئے گئے لوگ مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص رکھتے ہوئے سیدھے سیدھے اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں۔ زکوٰۃ اور یہی دین قیم ہے۔

اس آیۃ میں پہلا رکن بھی آگیا جو توحید و رسالت اور شریعت اسلامی کا اعتراف و انقیاد ہے اور دوسرا رکن اقامت صلوٰۃ اور چوتھا رکن ایتاء

زکوۃ بھی آگیا۔

جو شخص ان تینوں ارکان کا پابند ہوگا وہ لامحالہ پورے دین کا مطیع ہوگا۔ کیوں کہ نماز کو قائم رکھنا عبادت و طاعت کا بدنی ثبوت ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے مال میں سے مخصوص حصہ نکالنا یہ مالی ثبوت و اعتراف ہے اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان باللہ کے بعد صرف صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کا حکم فرمایا ہے ان دونوں جانی اور مالی عبادتوں کی پابندی کے بعد پھر باقی سارے دین کی پابندی ایک ناگزیر امر ہے۔

اس زکوۃ و صدقہ کی فرضیت کا مقصود نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہے ارشاد باری ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

اے محمد تم ان کے اموال میں سے صدقہ لو تاکہ اس کے ذریعہ ان کو پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو۔

زکوۃ کی ادائیگی سے نفوس کا تزکیہ ــــ کس طرح ہوتا ہے؟ ــ اور سرمایہ و دولت کے نقصانات اور مضر اثرات سے قوم اور افراد کی کس طرح حفاظت ہوتی ہے؟ ــ اور دولت و سرمایہ کی صحیح تقسیم کس طرح وجود میں آتی ہے؟ اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "زکوۃ کی فرضیت میں دو مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے ایک مصلحت کا مآل تزکیہ نفس اور تہذیب نفس ہے اور وہ یہ ہے کہ زکوۃ سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے اور بخل سب سے بری عادت ہے جس کی وجہ سے آخرت میں

نقصان وضرر میں رہتا ہے۔ بخیل آدمی جب مرتا ہے تو اس کا دل مال میں اٹکا لگا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ دینے کا عادی ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے میں سے بخل کا مادہ نکال دیتا ہے تو یہ اس کے لئے نفع بخش ہوتا ہے۔ آخرت میں انابت الی اللہ کے بعد سب سے زیادہ سود مند عادت سخاوت نفس ہے۔ جس طرح انابت الی اللہ نفس میں عالم جبروت پر مطلع ہونیکی ہیئت کی استعداد پیدا کردی ہے۔ اسی طرح سخاوت نفس میں خسیس دنیوی ہیئتوں سے بری ہونے کی استعداد پیدا کرتی ہے۔ کیوں کہ سخاوت کی اصل یہ ہے کہ قوۃ ملکیہ قوۃ بہیمیہ کو مقہور کردے۔ اور قوۃ ملکیہ غالب ہوکر قوۃ بہیمیہ کو اپنے رنگ میں رنگ لے اور اس پر حاکم بن جائے۔ ان امور میں جو سخاوت پر آمادہ کرتے ہیں۔ اپنی حاجت کے باوجود مال کو دوسرے پر خرچ کرنا اور اس شخص کو معاف کردینا جس نے ظلم کیا ہو اور ناگوار امور کی سختیوں پر صبر کرنا کہ آخرت کے یقین کی وجہ سے دنیوی مصیبت ہلکی اور آسان معلوم ہونے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب خصلتوں کا مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے اور ان امور میں جو سب سے زیادہ سخت اور دشوار تھا۔ یعنی دوسروں پر مال خرچ کرنا۔ اس کو پورے انضباط کے ساتھ فرائض خداوندی میں شامل فرمایا۔ اس زکوٰۃ اموال کو قرآن مجید میں بیشتر مواضع پر نماز اور ایمان کے ساتھ مقرون کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جہنمی لوگوں کے بارہ میں فرمایا ہے۔

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ	ہم نہ نمازیوں میں سے تھے اور نہ مسکین کو
نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ	کھانا کھلاتے تھے اور تھے ہم جھکنے والوں

الخائفین

کے ساتھ جھکتے تھے۔

اور نیز جب کسی مسکین کو کوئی شدید حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الٰہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی حاجت کو اس طرح پورا کیا جائے کہ کسی شخص کے قلب میں اس مسکین پر خرچ کرنے کا داعیہ پیدا کیا جائے۔ تو پھر وہ اسی طرح ظہور میں آتا ہے اس القاء غیبی کے لئے اس کے قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے اور انشراح روحانی متحقق ہوتا ہے اور رحمت خداوندی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جو تہذیب نفس کے لئے یقیناً مفید ہے۔ یہ الہام اجمالی بھی فوائد میں الہام تفصیلی کے تابع ہوتا ہے۔

اور نیز صدقات سے خطیات کا کفارہ ہوتا ہے اور برکات وحسنات میں افزونی ہوتی ہے یہی تزکیہ نفس ہے۔

دوسری مصلحت کا مآل شہری ملّی اور قومی منافع ہیں اور وہ یہ ہے کہ شہر اور قوم میں لامحالہ نادار اور حاجت مند لوگ بھی ضرور ہوتے ہیں حوادث زمانہ ایک قوم پر آتے ہیں اور دوسری قوم پر گذر جاتے ہیں اگر ان میں فقراء ومساکین اور اہل حاجات کی ہمدردی اور خیر خواہی کا دستور نہ ہوگا تو وہ لوگ ہلاک ہوں گے اور فقر وفاقہ سے مر جائیں گے۔ اور نیز ملکی اور قومی نظام بھی مال اور سرمایہ پر موقوف ہے جس سے محافظین اور مدبرین وسیاسیین اور حکام وعمال کے روزینے دیئے جائیں جب یہ لوگ ملک اور قوم کی وجہ سے مفید ضروری کاموں میں مشغول ہیں اور کسب معاش چھوڑے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی معیشت کا بوجھ بھی قوم ہی پر پڑے اور مشترک اخراجات کا تحمل بعض کے لئے آسان نہیں

ہوتا اور بعض لوگ اس پر قادر نہیں ہوتے تو ضروری ہوا کہ رعایا سے اموال جمع کئے جائیں کا کوئی دستور و قاعدہ ہو۔

جب کہ یہ امر دشوار تھا اور مصلحت کے موافق نہ تھا کہ ایک مصلحت کو دوسری مصلحت کے ساتھ ملایا جائے تو شریعت نے ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا۔

پھر ضرورت اس کی پیش آئی کہ زکوٰۃ کی مقدار متعین کر دی جائے۔ اگر یہ تعیین نہ ہوتی تو اس کی ادائیگی میں مفرط افراط سے کام لیتا اور ظالم اپنے پر ظلم کرتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدار نہ اتنی کم ہو جس کی پروانہ ہو اور بخل کا ازالہ نہ کرے اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ اس کی ادائیگی ان کے لئے دشوار ہو جائے اور مدت اتنی طویل بھی نہ ہو جس سے بخل کا ازالہ نہ ہو سکے اور محتاج لوگوں کو طویل انتظار کرنا پڑے موافق مصلحت یہی تھا کہ اس کے لئے وہ مدت رکھی جائے جس میں سلاطین اپنی رعایا سے محصول ٹیکس وصول کرتے ہیں الخ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صـ ۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے البدور البازغہ میں مختصر الفاظ میں زکوٰۃ کے مصالح اور حکمتوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

الزکوٰۃ بمنزلۃ غذاء دوائی	زکوٰۃ ایسی غذائی دوا کی مانند ہے جس کی سخاوت
تقتضیہا خلق اسماحۃ و ینتظم	مقتضی تھی اور اس کی وجہ سے شہری امور
بہا شمل المدینۃ و لیعبس	کا انتظام ہوتا ہے۔ اور رب تبارک و تعالیٰ
الرب تبارک و تعالیٰ من قبل	کی بالضرورت عبادت ہوتی ہے۔ کیوں کہ
الاندفاع الیہا بالضرورۃ و تندفع	اس کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اور شرور

الشمس ورد وتطفئ غضب الله تعالیٰ وتنفع من فتنة القبر وتکسر حجاب الطبع منا قبل التضیق واذا ادی علی وجهها نفعت من سوء المعرفة — وصفت بها النفس عن الهیئات الرذیلة ونفع فداء عن العیل وجعلت شریعة لا تعصی منفعت من غوائل الرسم ....

(البدور البازغة ص۲۱۱)

کو رفع کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو فرو کرتی ہے اور فتنہ قبر سے نفع دیتی ہے اور طبیعت کے اس حجاب کو چاک کرتی ہے جو تنگی دل کی وجہ سے لاحق ہو۔ اور جب زکوٰۃ کو اس کے طریقہ کے موافق ادا کیا جائے تو سوء معرفت سے نفع دیتی ہے اور اس کی وجہ سے نفس ہیئات رذیلہ سے صاف ہوتا ہے۔ اور بندہ کی طرف سے جذبہ کا کام دیتی ہے۔ اور جب شریعت کا ناقابل انکار جزو قرار دے دیا گیا ہے تو رسوم کے اثرات سے نفع دیتا ہے۔

(البدور البازغہ ص۲۱۴)

پس زکوٰۃ اہم ترین عبادت خداوندی ہے جس سے نفسانی برائیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اور اجتماعی ملکی اور قومی ضروریات کو پورا گیا ہے اور تمام اقتصادی مشکلات کا مداوا کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رح نے خیر کثیر میں زکوٰۃ کی حقیقت یہ بیان فرمائی ہے:

وصورتها فی صراقترا النفس افاضتی الکملات العلمیة والعملیة وفی الواهمة تمثلت

اور زکوٰۃ ---- صورتِ نفس انسانی میں علمی اور عملی کمالات کا فیضان ہے اور قوۃ واہمہ میں وہ سخاوت کی صورت اختیار

سخاوۃ ونزلت دافعۃ للبخل وفی الخارج استوطن امہات الاموال وھی صنوف اربعۃ البھائم والنقد والزروع والتجارات (الخیر الکثیر ص۱۰۶)

کرتی ہے اور بخل کو دفع کرنے والی ہے۔ اور خارج میں امہات اموال میں واقع ہوتی ہے اور امہات اموال چار نوع ہیں (۱) بہائم اور (۲) نقود اور (۳) زروع اور (۴) تجارات (انہی کی زکوۃ ادا کی جاتی ہے)

غرض زکوۃ کی ایک مصلحت خاص ہے کہ اس سے مال و دولت کے مضر اثرات کا ازالہ ہوتا ہے اور نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہو کر تقرب خداوندی اور رضاء الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ دوسری مصلحت عام ہے کہ اس سے ناداروں حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور ملکی اور قومی ضروریات کی کفالت ہوتی ہے اور دولت کی صحیح تقسیم عمل میں آتی ہے۔ اس وقت دوسری مصلحت سے تفصیلی بحث مقصود نہیں۔ یہ ملکی مدبرین اور مفکرین کا کام ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

صرف اس قدر ضرور عرض کرنا ہے اگر اس وقت زکوۃ وصدقہ وخیرات کے صحیح نظام کو عالم میں پھیلا دیا جائے تو دنیا کی ساری اقتصادی مشکلات کا ازالہ ہو جائے۔ دولت کی صحیح تقسیم ہو جائے اور مستحقین تک ان کا حق پہنچ جائے اور دنیا میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ اسلام کا دور اولین اسی اقتصادی نظام کی کامیابی کا عین ثبوت ہے۔ اس خداوندی اقتصادی نظام کے قائم کرنے کی وجہ سے سرمایہ داری نظام کی ساری خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی اور اشتراکی نظام کی ساری ہی خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ کیوں کہ یہ فطرت انسانی کا صحیح

ترجمان ہے اور قانون فطرت کے بالکل موافق ہے۔ اس کے خلاف جو بھی اقتصادی نظام قائم کیا جائے گا فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کر سکتی اور نہ وہ نظام تمام انسانوں کی ضروریات کی کفالت کر سکتا ہے۔

نفوس انسانی کے تزکیہ اور تطہیر کے لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ زکوۃ، صدقہ و خیرات کے منافع اور ثمرات کو واضح اور صاف صاف بیان کیا جائے تاکہ نفوس انسانی بشاشت اور طیب نفس کے ساتھ ان کی ادائیگی کی جانب مائل ہوں اور اس انفاق مال میں ان کو گرانی اور ناگواری نہ ہو۔ اس ریاضت میں بھی آسانی ہو جائے۔ اور مال جمع کرنے اور زکوٰۃ صدقہ و خیرات نہ کرنے کے مفاسد اور خرابیوں کو واضح طور پر بیان کیا جائے تاکہ طبائع خود ان سے متنفر اور بے زار ہو جائیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کے منافع کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوتاہی اور کمی کے برے اثرات سے بار بار آگاہ کیا گیا ہے اسلام کی یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ انسانی زندگی اور تازگی اور پاکیزگی کے لئے جو شے جس قدر زیادہ ضروری اور لابدی تھی اسی قدر اس کی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے۔ اور جو شے جس قدر مضر اور نقصان رساں تھی اسی قدر اس سے بچایا اور ڈرایا گیا ہے اور تمام منافع اور مضار کو واضح طور پر سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ عقل سلیم اور فہم مستقیم کو اس سے انکار اور انحراف کی گنجائش نہ رہے۔

"زکوۃ اور صدقہ و خیرات کا منافع اور ثمرات"

انفاق فی سبیل اللہ اور زکوۃ و صدقہ و خیرات کے تمام منافع اور ثمرات

کا تو احاطہ نہیں کیا جاتا اور نہ یہ بشری طاقت میں ہے کہ وہ اوامر خداوندی کے اسرار و حکم کا احاطہ کر سکے۔ صرف دو بدیہی منافع اور ثمرات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات سے مال و دولت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ بیحد و نہایت افزونی ہوتی ہے جو چیز یہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودگی کے لئے خرچ کی گئی ہے وہ آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ کر دی جاتی ہے جس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ

(روم ع ۴)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے اموال میں افزونی کرے تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتی اور جو تم زکوٰۃ وغیرہ سے دیتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو یہی لوگ ہیں جن کے مال میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

سودی کاروبار اسی لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے دولت میں اضافہ ہو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں خسارہ کا کاروبار ہے۔ اصل منافع بخش کاروبار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس سے دولت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ عادت خداوندی یہی ہے کہ وہ سودی کاروبار کو ملیامیٹ فرماتے ہیں۔ اور اپنی راہ میں خرچ کیے ہوئے میں افزونی فرماتے ہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ — اللہ تعالیٰ سود کو ملیا میٹ کرتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ میں مال و دولت میں کس قدر افزونی ہوتی ہے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ع ۳۶)

مثال ان لوگوں کی جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ جیسی ہے جو سات بال اگائے اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں زیادہ فرما دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جاننے والے ہیں۔

یہ محض تمثیل ہی نہیں بلکہ برہان و حجت بھی ہے کہ جس طرح محسوسات میں یہ مشاہدہ ہے کہ ایک دانہ خاک میں ملا دینے سے اس کے معاوضہ میں سات سو دانے عطا کئے جاتے ہیں اور اس مشاہدہ سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک خرچ کرنے کے معاوضہ میں سات سو عطا کئے جاتے ہیں۔ جس طرح وہ قانون فطرت کے مطابق ہے اسی طرح یہ بھی قانون قدرت کے مطابق ہے۔ یہ دنیا آخرت کے لیے عالم مثال ہے جس طرح یہاں اعمال کا بدلہ عطا کیا جاتا ہے اسی طرح وہاں بھی اس دنیا کے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ ارشاد

خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

اور جو شخص ذرہ برابر خیر کام کرے گا وہ اسکو پائے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر بُرا کام کرے وہ اس کو پائے گا۔

یہ دنیا تو آخرت کے لئے محض ایک کاشت کا مقام ہے۔ جیسا بوئے گا ویسا پائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں اور لوگ چار قسم کے ہیں۔ اعمال کی چھ قسم یہ ہیں کہ دو عمل واجب کرنے والے ہیں اور دو عمل برابر سرابر ہیں اور ایک عمل دس گنا اجر و ثواب رکھتا ہے اور ایک عمل سات سو گنا اجر و ثواب رکھتا ہے۔ واجب کرنے والے دو عمل یہ ہیں کہ جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو اس کا جنت میں داخل ہونا واجب اور لازم ہے۔ اور جو شخص کفر و شرک کی حالت میں مرے اس کا جہنم میں داخل ہونا واجب اور لازم ہے (اس کے برخلاف نہ ہوگا)۔ اور "عمل برابر سرابر یہ ہیں کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے اس کو ایک ثواب ملتا ہے (کیوں کہ اس کا یہ ارادہ بھی ایک عمل خیر ہے)، اور جو شخص برا کام کرے اس کو ایک سزا دی جاتی ہے۔ (کیوں کہ برائی کا بدلہ اس کے برابر ہونا چاہئے)۔ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔ (الحسنۃ بعشر امثالھا) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اس کو ہر خرچ کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور لوگوں کی چار قسم یہ ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی وسعت ہے اور

آخرت میں بھی۔ دوسرے وہ جن پر دنیا میں وسعت ہے اور آخرت میں تنگی۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں تنگی ہے اور آخرت میں وسعت۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی تنگی ہے اور آخرت میں بھی تنگی (کنز العمال) دنیا میں فقر و تنگی مقدر تھی۔ اسی کے ساتھ اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے آخرت بھی خراب ہوگئی اور دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو گئے۔ اصل کامیاب پہلا اور دوسرا گروہ ہے۔ دوسرا گروہ بھی خسارہ میں ہے۔ چند روزہ کشائش و فراخی پر مغرور اور نازاں ہے۔ اگر بلا کسی اجر و ثواب کے بھی ہماری ذاتی و اجتماعی اغراض کے لیے یہ اخراجات ہمارے پر عائد کر دیئے جاتے تب بھی عین حکمت اور مقتضائے فطرت تھا کیوں کہ ان کے بغیر نہ حاجت مندوں کی حاجات پوری ہو سکتی ہیں اور نہ اجتماعی اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے ہر مملکت اعوام پر ٹیکس لگانے پر مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ تو مالک الملک احکم الحاکمین خالق و مربی کائنات ہے یہ اس کا اپنے بندوں پر مزید فضل و انعام ہے کہ ان اخراجات کو بھی عبادت بنا کر موجب اجر و ثواب قرار دیدیا۔ اسی لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کو قرض شمار کیا گیا ہے جو ایسے وقت ادا کیا جائے گا جس وقت اس کی شدید احتیاج ہوگی اور اس قدر اضافہ کر کے دیا جائے گا جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ۔ وَاللّٰہُ

کون شخص ہے جو اللہ عزوجل کو قرض حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ اس کے لئے بڑھا دیں۔

يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ — اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتے ہیں۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (بقرہ ع ۳۲)

اس قرض دینے سے مراد اللہ کی رضا اور خوشنودگی حاصل کرنے کے لئے اس کے نادار حاجت مند بندوں پر خرچ کرنا ہے جس کا معاوضہ وہ بندے نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ کیوں کہ ان ہی کے حکم سے یہ خرچ کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیا گیا ہے تو وہ گویا بارگاہ خداوندی میں ایک حقیر پیش کش ہے۔

(۲) زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کی وجہ سے مال و دولت میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ اور دنیا میں بھی مال و دولت میں افزونی ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ۔ — اور جو چیز تم اللہ کے لئے خرچ کروگے تو وہ اس کا بدل دے گا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ الٰہی تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ بددعا کرتا ہے کہ الٰہی تو اپنی راہ میں خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف فرما (نرھ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی بندہ اچھی طرح صدقہ خیرات کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے متروکہ مال میں اس کا اچھا بدل عطا فرماتے ہیں۔

زکوۃ کی وجہ سے مال و دولت کی حفاظت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوۃ کے ذریعہ تم اپنے مال کی حفاظت کرو اور صدقہ کے ذریعہ اپنے مریضوں کا مداوا کرو (نزھہ) کیوں کہ زکوۃ نہ دینا خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

اور خرچ کرو تم اللہ کے راستہ میں اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور لوگوں پر احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جس کا حاصل یہ نکلا کہ زکوۃ کی ادائیگی اور صدقہ و خیرات کی فراوانی سے سرمایہ آخرت میں بھی بے شمار بے حد و حساب افزونی ہوتی ہے اور اس دنیوی سرمایہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور تلف و اضاعت سے اس کی حفاظت و نگرانی کی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ منافع بخش سود مند کاروبار کیا ہو سکتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی ترقی ہو۔

زکوۃ نہ دینے کی سزائیں

جس طرح افعال خداوندی کی خاصیتیں ہیں اور ان کو تحقیق و جستجو اور تجربہ کے بعد معلوم کر لیتے ہیں اسی طرح اوامر خداوندی کی بھی لامحالہ خاصیتیں ہیں جو غیر محسوس ہونے کی وجہ سے ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آسکتیں ان کے ادراک اور شعور کے لئے آنکھوں کی بصارت کافی نہیں ہے۔ قلب کی بصیرت بھی درکار ہے۔

ان کا اصل مشاہدہ وظہور تو آخرت میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کچھ اثرات اس دنیوی زندگی میں بھی پڑتے ہیں۔ اسی کو ثواب و عذاب اور جزا و سزا کہتے ہیں ان اوامر الٰہیہ کی بجا آوری پر ثواب اور جزا مرتب ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی پر عذاب و سزا مرتب ہوتی ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب اور اس کی سزا کا اصل ظہور و مشاہدہ تو عالم آخرت میں ہوتا ہے جو دار الجزا ہے لیکن اس کے کچھ برے اثرات اس زندگی میں بھی ضرور ظاہر ہوتے ہیں جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

زکوٰۃ نہ دینے کی عالم آخرت میں دو طرح سزا دی جائے گی۔

فرمایا کہ اسی مال و دولت کو آگ بنا کر ان کے جسموں کو اس سے داغا جائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

(توبہ ع ۵)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے تم انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جس دن اس ذخیرہ کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ ذخیرہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا اب تم اس کا مزہ چکھو جو تم نے جمع کر رکھا تھا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اس خزانہ سے وہ مال مراد ہے جس کی زکوۃ نہیں ادا کی گئی۔ اور جس مال کی زکوۃ ادا کر دی گئی ہے وہ مال مزکّی (پاکیزہ) ہے اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سونے یا چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا اس سونے چاندی کے پتر بنائے جائیں گے۔ اور ان کو جہنم کی میں تپا کر آگ بنایا جائے گا۔ پھر ان سے اس شخص کا پہلو اور پیشانی اور کمر داغی جائے گی اور بار بار اسی طرح داغ دیئے جاتے رہیں گے۔ اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ حتی کہ جب لوگوں کے اعمال کا فیصلہ ہو جائیگا اس کے بعد یہ شخص بھی اپنا راستہ دیکھے گا جنت کی جانب یا جہنم کی جانب (جب اسکے حق میں فیصلہ ہو) (مشکوۃ)۔ دوسرے یہ کہ اس مال و دولت کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ	اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال کے خرچ کرنے میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے کہ وہ انکے لئے نہیں ہے بلکہ وہ ان کے لئے بڑی شر ہے کیوں کہ عنقریب وہ قیامت کے دن اس کے طوق پہنائے جائیں گے جس مال

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (آل عمران)

کے ساتھ بخل کیا ہے اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طوق جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔ ایک زہریلے سانپ کی شکل میں ہوگا۔ جو برابر اس کو ڈستا رہے گا اور یہ وہی مال ہوگا جس کی زکوۃ ادا نہیں کی گئی ہے۔

غرض جس مال کی محبت اور حفاظت میں حق تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تھی انجام کار وہی مال آخرت میں اس کے لئے مختلف شکلوں میں وبال جان عذاب ہوگا۔

دنیوی زندگی میں زکوۃ نہ دینے کے برے اثرات اس طرح مرتب ہوتے ہیں کہ مختلف شکلوں سے اس کو مالی مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں جس فراخی اور فارغ البالی کی وجہ سے یہ مال بچایا تھا وہ مزید تباہی و بربادی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکوۃ دینی چھوڑ دیتی ہے تو اس سے آسمانوں کی بارش روک دی جاتی ہے۔ یعنی وہ لوگ قحط سالی اور تنگی میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں (نزھۃ الناظرین) اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مال بھی خشکی یا دریا میں کہیں تلف ہوتا ہے وہ زکوۃ کو روکنے کی وجہ سے تلف ہوتا ہے (فضائل صدقات از طبرانی)

غرض زکوۃ دینے میں دنیا و آخرت دونوں جہاں کی آسائش و کشائش

ہے۔ اور زکوۃ نہ دینے میں دونوں جہاں میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ کارخانہ عالم اسی طرح چل رہا ہے سرمایہ دار غربا کے محتاج ہیں۔ اگر غربا نہ ہوں تو وہ سرمایہ کس طرح فراہم کر سکتے ہیں؟ اور غربا سرمایہ داروں کے محتاج ہیں بے سرمایہ ان کی حاجات کس طرح پوری ہو سکتی ہیں۔

پس اگر سرمایہ داران کی حاجات پوری نہ کریں تو یہ صریح ظلم وستم ہے۔

"زکوٰۃ کے آداب اور شرائط"

جس طرح ہر عبادت کے آداب و شرائط ہوتے ہیں کہ وہ بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے لائق ہو جائے۔ اسی لئے زکوٰۃ کے لئے بھی آداب و شرائط ہیں تاکہ یہ حقیر رقم بارگاہ ذوالجلال میں پیش ہونے کے قابل ہو جائے۔

(۱) سب سے پہلی اور سب سے اہم شرط اور ادب یہ ہے کہ اس سے مقصود محض رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کی بجا آوری ہو ریا و نمود کو اس میں دخل نہ ہو۔

اگر ریا و نمود کو اس میں دخل ہو گیا تو یہ عبادت ہی ناکارہ اور بے کار ہو گئی۔ اور بارگاہ خداوندی میں تقرب کے لائق نہ رہی۔ ارشاد خداوندی ہے

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ — اور عبادت کرو تم اللہ کی اس کے لئے دین کو خالص رکھتے ہوئے۔

اور جس عبادت میں اغراض کی آمیزش ہو اس کو شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ وَالْيَوْمَ — جو شخص اپنے پروردگار کی ملاقات اور یوم

اَلْاٰخِرَ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا۔ — آخرت کی سرخروئی کا امیدوار ہو اس کو چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اپنے صدقہ و زکوٰۃ سے دوسرے پر احسان جتا کر یا اس کو ایذا پہنچا کر ضائع اور برباد نہ کرے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی — اے ایمان والو تم اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔

درحقیقت صدقہ و زکوٰۃ میں جس طرح لینے والے کی دنیوی بعض حاجات پوری ہوتی ہیں اسی طرح دینے والے کی اس سے زیادہ اُخروی اور دینوی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ پھر اس کو اس پر احسان جتانے کا کیا حق ہے بلکہ خود اس کا ممنون احسان ہے، اس کو خود اس کا شکرگذار ہونا چاہیئے کہ اس کے طفیل حق تعالیٰ نے اس کو عبادت کی توفیق دی۔

(۳) تیسرے یہ کہ اپنے محبوب اور مرغوب مال کو اللہ کے راستہ میں پیش کرے۔ ردی اور خراب مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا شاہوں کے دربار میں ردی خراب نذرانہ پیش کرنا بلکہ اس سے بھی بدتر اور ابتر ہے۔ ارشاد باری ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ۔ — اے ایمان والو تم اپنی کمائی میں سے عمدہ عمدہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ — اور اس میں سے ادنیٰ کا ارادہ نہ کرو جس سے

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

خرچ کرو۔ حالانکہ تم ایسی چیز کو اسی وقت قبول کرو جب اس میں چشم پوشی کرو۔

تو آخرت کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ اللہ کے راستہ میں اپنی محبوب شے کو خرچ کیا جائے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں کو خرچ نہ کرو گے جن سے تم محبت رکھتے ہو

یہ ہے زکوٰۃ کی اصل جو اہم فریضہ خداوندی بھی ہے اور تزکیہ نفس اور بڑی ریاضت بھی ہے۔ جس میں معاشی مساوات کو اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ مالداروں کے اموال میں ناداروں کا حق مقرر کر دیا گیا۔

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

اور ان کے اموال میں سائل اور نادار کا بھی حق ہے۔

گویا چالیس تولہ چاندی میں ایک تولہ اس کی نہیں ہے۔ غربا و مساکین کا حق ہے جو ان تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس پر پورا ایک سال گذر جائے جس میں کوئی بھی دشواری اور تنگی نہیں ہے۔ ہر شخص بآسانی اس قدر خرچ کر سکتا ہے۔ اور ساری اقتصادی مشکلات کا صحیح علاج ہو سکتا ہے۔

پانچواں رکن بیت اللہ کا حج کرنا

انسان کو اپنے پروردگار خالق اور مالک کی عبادت و اطاعت کے لئے

پیدا کیا گیا ہے۔ تو ضروری اور لابدی امر تھا کہ اس کی عبادت و طاعت کے لئے کوئی خصوصی عبادت خانہ بھی بنایا جاتا جو عبادت کی جانب جذب و کشش پیدا کرے اسی لئے نوع انسانی کے لئے سب سے پہلے بیت اللہ تعمیر کرایا گیا جو سب انسانوں کے لئے مامن و ملجا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	بے شک پہلا گھر جو انسانوں کے لئے بنایا گیا
لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا	وہ ہے جو مکہ میں ہے جو برکت والا اور صداقت
وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ	والا ہے۔ تمام جہانوں کے لئے اس میں کھلی
اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ	نشانیاں ہیں منجملہ ان کے
وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا	جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا
	ہو جاتا ہے۔ مقام ابراہیم بھی ہے۔

آیت کریمہ میں چند باتوں کا ذکر ہے۔ بیتؔ وہ پہلی تعمیر ہے جو تمام انسانوں کی عبادت کے لئے بنائی گئی۔ جس کے اثرات و منافع ساری مخلوق تک پہنچتے ہیں سب انسان اس کی برکات سے فیضیاب ہیں۔ بیتؔ اللہ تمام جہانوں کے لئے خیر و برکت اور رشد و ہدایت کے لئے مرکزی مقام ہے۔ حرمؔ محترم کے تمام مقامات اور شعائر مقبولین بارگاہ کے آثار اور مشاہد ہیں ان ہی میں مقام ابراہیم بھی ہے حرمؔ محترم ہمیشہ سے ایمان اور ایمان والوں کا مرکز اور محور رہا۔ جو شخص یہاں ایمان کی پونجی لے کر داخل ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے ہر طرح سے مامون اور محفوظ رہ گیا۔

آسمانوں پر فرشتوں کی عبادت کے لئے "بیت المعمور" بنایا گیا اور دنیا میں

انسانوں کی عبادت کے لئے بیت معمور کے بالکل محاذات میں بیت اللہ بنایا گیا ہے جس کی پہلی تعمیر فرشتوں کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر اس تعمیر کی دوبارہ تجدید حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ ہوئی۔ چنانچہ بیت اللہ تعمیر ابراہیمی بھی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور عبادت گاہ بھی ہے۔ اور ابتدائے آفرینش سے انسانوں کے لئے مرکز بندگی اور مرجع و مامن ہے۔ جس سے انسانوں کا قیام و بقا وابستہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔ — اور جب کہ بنا دیا ہم نے بیت اللہ کو انسانوں کے لئے مرجع اور مامن۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔ — اللہ تعالیٰ نے بنایا کعبہ محترم کو انسانوں کے قیام کا ذریعہ۔

آج جس شخص میں جس قدر عبادت و بندگی کا ذوق و ذائقہ ہوگا اسی قدر اس اصل مرکز بندگی کی جانب اس کا میلان و رجحان ہوگا اور اس جانب طبعی لگاؤ اور قلبی کشش ہوگی۔

دوسری قومیں جب ایمان باللہ سے محروم ہوگئیں اور کفر و شرک کی گندگی میں پھنس گئیں تو اس اصل مرکز بندگی سے بھی بعید ہوگئیں۔ امت مسلمہ چونکہ ایمان باللہ سے سرفرازانہ ہے اس لئے پورے طور پر اس مرکز بندگی سے وابستہ ہے اور اسکے حج و طواف کی مامور ہے۔ کلام ربانی ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ — اور اللہ کی رضا کے لیے انسانوں پر بیت اللہ

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔

کا حج ضروری ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھے اور جو شخص کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حج بیت اللہ کی ادائیگی درحقیقت فریضہ انسانی اور شیوہ بندگی ہے جس سے انحراف سراسر کفر اور طغیان ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص توشہ اور سواری رکھتا ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکے پھر بھی وہ حج ادا نہ کرے تو کوئی فرق اس میں نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً (مشکوۃ شریف)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے لئے حج سے مانع واقعی مجبوری یا ظالم بادشاہ کا خوف یا شدید مرض نہ ہو پھر بھی وہ بغیر حج کیے مرجائے تو اس کو اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی (مشکوۃ شریف)

چنانچہ حج بیت اللہ معظم شعائر اسلامی سے ہے اور ملت اسلامیہ کا خصوصی امتیازی شعار ہے۔ اور اہم فریضہ خداوندی بھی ہے جو جانی اور مالی قربانی پر مشتمل ہے۔ اور نفس انسانی کے لئے سب سے بڑا آخری مجاہدہ و ریاضت بھی ہے جس کی وجہ سے نفس کا پورا تزکیہ اور تطہیر ہو کر گناہوں اور گندگیوں کے تمام اثرات اور نشانات مٹ جاتے ہیں اور انسان نومولود بچہ کی طرح بالکل معصوم پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے

حج کرے اور ہر قسم کی بے ہودگی اور نافرمانی سے بچے وہ ایسی حالت میں حج سے لوٹتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔ (مشکوۃ از صحیحین)

کیوں کہ حج بیت اللہ سابقہ تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ وان الحج یھدم ما کان قبلہ اور بے شک حج سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اسی لئے حج مقبول کا ثمرہ صرف جنت ہے الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ (صحیحین) (حج مقبول کا بدلہ صرف جنت ہی ہے)

حج بیت سب سے اہم مجاہدہ و ریاضت کس طرح ہے؟

اس کو ذرا تفصیل اور غور و تدبر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

عبادات خداوندی پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندوں پر دو نوع کے مجاہدے مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک وہ مجاہدے جن میں عقلیت کی شان غالب ہے اور طبیعت مغلوب ہے۔ جیسے نماز روزہ زکوۃ اور دوسرے وہ مجاہدہ جن میں طبیعت غالب ہے اور عقلیت کی شان مغلوب و مبہوت ہے اور یہ حج بیت اللہ ہے۔

اور اس تنوع کا راز یہ ہے کہ مجاہدہ کا مقصود منازعات نفس کو مغلوب کرنا ہے یعنی جو قوی اطاعت خداوندی میں کشاکش پیدا کریں ان کو ایسی طرح مغلوب کر دینا اور دبا دینا کہ نفس انسانی اطاعت و انقیاد کا خوگر ہو جائے۔ اور منازعات نفس مختلف نوع کے ہیں اسی لئے ان کے لئے مجاہدے بھی مختلف نوع کے مقرر کئے گئے۔ کوئی مجاہدہ کسی منازعت کو مغلوب کرنے کے لئے اور کوئی کسی منازعت کو مغلوب کرنے کے لئے ہے چنانچہ نماز سے کبر و جاہ کا دبانا مقصود ہے

اور روزہ سے قوۃ شہویہ بہیمیہ کا انکسار مقصود ہے اور زکوٰۃ سے حبِ مال کو دل سے نکالنا مقصود ہے۔ غرض مجاہدات کی حقیقت منازعات نفسانی کو مغلوب و مقہور کرنا ہے۔ اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے منازعت کرنے والی صرف دو شے ہیں۔ عقل اور طبیعت۔ کبھی عقل طبیعت پر غالب آتی ہے اور اس کو خلاف عقل کام کرنے سے روک دیتی ہے۔ اور کبھی طبیعت عقل پر غالب آتی ہے اور اس سے بے عقلی کا کام کرا دیتی ہے۔ یہی دو چیزیں دین حق اور اتباع شریعت الٰہیہ سے روکنے والی ہیں۔ چنانچہ حکماء شراقیین اور مشائین کو جس چیز نے اتباع حق سے روکا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اتباع سے محروم رہے وہ عقل ہی ہے کیوں کہ طبیعت کے اقتضارات کا انھوں نے بخوبی علاج کر لیا تھا بڑے بڑے مجاہدات سے نفس کا تزکیہ کر کے اپنے اخلاق مہذب و شائستہ بنا لئے تھے اس لئے طبعی منازعات تو اُن میں فی الجملہ مغلوب ہو گئے تھے۔ ان کو دین حق سے روکنے والی جو چیز تھی جو انبیاء کرام کے اتباع سے مزاحم ہوئی وہ صرف ان کی عقل ہی تھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (نازاں ہیں وہ اپنے اس علم پر جو ان کے پاس ہے) میں بخوبی اس کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے یعنی وہ لوگ اپنے علم پر اترا گئے اور اپنے علم کے سامنے انبیاء کرام کے علوم کو پست سمجھنے لگے۔ جس کی وجہ سے ان کے اتباع اور حق قبول کرنے سے محروم رہے۔

یہی حال اس زمانہ کے عقلاء فرنگ اور جدید فلاسفروں کا ہے۔ وہ اپنی عقول اور علوم کے سامنے انبیائی علوم کو پست سمجھتے ہیں اور ان کے اتباع سے

گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہ السلام کے علوم کے سامنے ان کے علوم وعقول کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام چونکہ مخلوق خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجے گئے اس لئے ان کے علوم عوام کے مزاج اور طبائع کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگر وہ بھی فلاسفروں کی طرح الجھی ہوئی غامض دقیق الجھی ہوئی باتیں بیان کرنے لگیں۔ تو مخلوق خدا کو ان سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ اور کس طرح مخلوق کی رہنمائی ہوسکتی ہے؟ اسی لئے قرآن مجید کو کلام ربانی اور وحی خداوندی ہے۔ نہایت سہل عام فہم الفاظ کا جامہ پہنا کر نازل فرمایا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی عقل وفہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور بے شک آسان کیا ہے ہم نے قرآن کو نصیحت لینے کیلئے تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنیوالا ہے

اگر قرآن مجید کو حق تعالیٰ اپنی شان جلالی اور کبریائی کے مطابق نازل فرماتے تو کون اس کا تحمل کرسکتا تھا؟ جب کہ سخت پہاڑ بھی اس کا تحمل نہیں کرسکتے۔

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پہ نازل کرتے تو اے مخاطب تو اس کو اللہ کے خوف سے دب جانیوالا اور پھٹ جانیوالا دیکھتا۔

وادیٔ طور میں ایک ہی تجلی تو ہوئی تھی جس نے کوہ طور کو ریزہ ریزہ کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے قوی العزم پیغمبر بے ہوش ہوکر گر گئے۔

پھر قرآن مجید تو کلام ربانی ازلی ابدی ہے اور سراسر تجلیات الٰہیہ پر مشتمل ہے اس کا نوع انسانی سے کس طرح تحمل ہو سکتا تھا۔ اور در اصل یہی قرآن مجید کا کمال اور اعجاز ہے سہل اور آسان اس قدر کہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ دقیق اور عالی اس قدر کہ فصحاء عرب اس کے مقابلہ اور معارضہ سے عاجز ہو گئے اور تمام علوم و معارف اس کے سامنے گرد اور ہیچ ہیں لا ینتھی عجائبہ (اس کے عجائبات کی انتہا نہیں ہے)۔ یہی حال انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم و معارف کا ہے کہ وہ بادی النظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت تمام حکماء اور فلاسفران کی ماہیت کے ادراک سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم و معارف کا مقام تو بہت اونچا ہے فلاسفروں کے علوم و عقول تو اولیاء اللہ کے معارف حقائق کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے جو انبیاء کرام کے نائب ہیں اور صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے خوشہ چین اور کفش بردار ہیں۔

پھر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا کلام انتہائی تنزل کے بعد بھی اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے کہ انتہائی مفید اور سہل ہونے کے باوجود ارسطو اور افلاطون حکماء اشراقیین اور حکماء مشائین کسی کو بھی اس کے مغز تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کی بے عقلی کا کیا علاج کہ فلاسفروں کی عقل میں یہ موٹی بات بھی نہ آئے یہ ان کی ناقص عقول ہی کا اثر تھا کہ وہ حق قبول کرنے سے باز رہے فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

دوسری شے جو قبول عین حق سے مانع ہوتی ہے وہ انسان کی طبیعت ہے۔ طبیعت کا مقتضا یہ ہے کہ تمام شہوات اور لذات سے تمتع حاصل کرے۔ اور اس پر کسی قسم کی بندش اور روک ٹوک نہ ہو۔ یہی وبا آج کل یورپ کے ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی طبائع ان کی عقول پر غالب آچکی ہیں۔ اور ہر خاص و عام نفسانی خواہشات اور لذات و شہوات کے پیچھے پڑا ہوا ہے جس کے کم و بیش اثرات سارے ممالک پر پڑ رہے ہیں اور عقول انسانی روز بروز مسخ ہو رہی ہیں۔

غرض دین حق سے مانع دو شے ہیں۔ عقل[1] خواص اور اہل علم کے لئے انقیاد سے مانع ہوتی ہے۔ اور طبیعت[2] سب کے لئے اتباع حق سے مانع ہوتی ہے۔

پس مجاہدہ اور ریاضت کا حاصل یہ ہوا کہ عقل اور طبیعت دونوں کو مغلوب کیا جائے۔ اب نفس کی اصلاح اور تہذیب کے لئے دو قسم کے اعمال کی ضرورت ہوئی۔ ایک وہ اعمال جن پر عقلیت غالب ہو۔ تاکہ ان کے ذریعہ طبیعت کو مغلوب کیا جائے۔ جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کہ ان کے معقول ہونے سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جس کے دماغ میں فتور ہے اور عقل و فہم سے بالکل عاری ہے۔

اور دوسرے قسم کے اعمال وہ ہونے چاہئیں جن میں عقلیت کی شان مغلوب ہو۔ عقل براہ راست ان کو نہ سمجھے بلکہ اس میں طبیعت کا غلبہ ہو۔ طبعی تقاضے سے ان کو کیا جائے۔ جب عقل اور طبیعت دونوں کی رعایت کر کے

دونوں کو عبادت میں لگا دیا جائے گا تو دونوں کو خداوند عالم سے تعلق قائم ہو کر انمیں شان انقیاد آجائے گی اور دونوں حد اعتدال پر آجائیں گے اور حق واضح ہو کر مجاہدہ تمام ہو جائے گا۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ جس طرح ہمیں پہلے قسم کے اعمال کی ضرورت ہے اسی طرح دوسری قسم کے اعمال کی بھی ضرورت ہے اور ان کا مامور و مکلف ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے صرف عقل کو مغلوب کر لینا کافی نہیں ہے کیوں کہ طبیعت بیشتر عقل کی مزاحم ہوتی ہے اور جب عقل اور طبیعت میں تزاحم اور تنازع ہوتا ہے تو بسا اوقات طبیعت ہی عقل پر غالب آجاتی ہے۔ کیوں کہ عقل پر بیشتر وہم کا اثر غالب رہتا ہے۔ پس اگر مجاہدہ کے اندر صرف عقل کو اعتدال پر قائم کیا جاتا اور طبیعت کو مہمل چھوڑ دیا جاتا تو سخت دشواری پیش آتی مثلاً نماز کا وقت آیا تو عقل کا تقاضہ ہے کہ نماز پڑھنا چاہیئے اور طبیعت پر سستی و کسلمندی طاری ہے تو لامحالہ نماز ترک ہو گی کیونکہ مزاحمت کے وقت اکثر طبیعت ہی غالب آجاتی ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ بعض مجاہدوں کے ذریعہ طبیعت کو بھی مہذب اور منقاد بنا دیا اور خود طبیعت کا بھی یہی تقاضا ہو گا کہ اٹھا کر نماز پڑھوا دے گی اسی لئے منتہائے مجاہدات یہ ہے کہ امور شرعیہ بھی امور طبعیہ بن جائیں اور طبیعت خود ان کی طرف راغب ہو جائے۔ اسی کو ملکہ راسخہ یا طبیعت ثانیہ کہتے ہیں یعنی تمرین و مشق سے طبیعت کا رنگ بدل جائے۔ بفضلہ تعالیٰ اس رنگ کا حصہ کم و بیش ہر دیندار مسلمان میں پایا جاتا ہے کوئی اس سے یکسر خالی نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی نمازی

آدمی کو نماز کے وقت دو آدمی رسّے سے باندھ دیں تو وہ یہی کوشش کرے گا کہ رسّہ توڑ کر بھاگے اور نماز ادا کرے۔

اس کا راز یہی ہے کہ اس کی طبیعت بدل گئی ہے وہ کشاں کشاں اسکو اپنے مقتضا کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بے نمازی کے لئے نماز ہر حال میں دشوار ہے۔ کیوں کہ نفسانی شیطانی اثرات سے اس کی طبیعت بالکل مسخ ہوگئی ہے جو اس کو امرِ حق سے روکتی ہے۔ اس لئے طبیعت کا مسخر و مغلوب کرنا اور اس کے مزاج کا رنگ بدلنا انتہائی ضروری ہے۔ طبیعت اور عقل کی مثال ریل گاڑی جیسی ہے کہ انجن میں جو کلیں ہیں ان کے ذریعہ پہیوں کو گھما کر بھی چلا سکتے ہیں۔ لیکن سخت مشقت ہوگی۔ اور ریل گاڑی کچھ دور جا کر رک جائیگی زیادہ مسافت طے نہ کر سکے گی۔ یہ مثال عقل کی ہے کہ عقل کے ذریعہ بدن سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن بہت مشقت کے ساتھ اور بہت کم۔

اور اگر اس انجن میں آگ پانی بھی ہو اور ان کی بھاپ کے ذریعہ کلوں کو گھمایا جائے تو پھر اس کے ذریعہ بلا مشقت ہزاروں میل کی مسافت طے کر سکتے ہیں اور کی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس کی طبیعت بھاپ کے ذریعہ بدل گئی یہی مثال اور حال طبیعت کا ہے کہ اگر طبیعت کا رنگ بدل جائے تو اس سے بلا تکلف بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔

پس ایسے مجاہدوں کی بھی ضرورت ہوئی جو طبیعت کو مسخر اور مغلوب کر کے اس کا رنگ بدل دیں۔ ان میں سے ایک بڑا مجاہدہ "حج بیت اللہ"

ہے۔

اس لفظ ہی سے اس کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اس سے مقصود طبیعت کے ذریعہ عقل کو مغلوب کرنا ہے۔ کیوں کہ طبیعت اور عقل کے آثار میں تفاوت ہے۔ عقل کا مقتضا یہ ہے کہ نفس عبادت کا اہتمام ہو قیود اور ہیئات کا التزام بالکل نہ ہو کیوں کہ عقل تجرد کو چاہتی ہے۔ تعینات اور تشخصات سے اس کو تنفر ہے۔ اور طبیعت چوں کہ محسوسات سے مانوس ہے اس لئے اس کو قیود اور ہیئات سے انس ہے۔ اور جس امر میں تجرد ہو اس سے مانوس نہیں بلکہ متوحش ہوتی ہے۔ بیت اللہ کی جانب حج کا انتساب ہی اس امر کو بتا رہا ہے کہ یہ طبیعت کے اقتضا کے زیادہ مطابق ہے۔ عقل اس کو بالکل جائز قرار نہیں دیتی۔

اسی طرح حج کے دیگر ارکان و افعال ہیں کہ طبیعت کے بالکل موافق ہیں اور عقل ان سے یکسو اور بیگانہ ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ ارکان و افعال عقل کے خلاف ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ بادی النظر میں ہر ایک عقل کی ان کی ماہیت اور نوعیت تک رسائی نہیں۔ ان کی معقولیت کا وہی نفوس احساس کر سکتے ہیں جن کو قدرت کی جانب سے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا کی گئی ہے اور اسرار الٰہیہ سے آگاہ کئے گئے ہیں۔

کسی امر کا بعض عقول میں نہ آنا اس کے خلاف عقل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وہ فلاسفروں کی وہ ساری تحقیقات جو عام

عقول سے بالا ہیں خلاف عقل ہوں۔ غرض حج کے جس قدر ارکان اور افعال ہیں وہ سب بظاہر عقل کے خلاف نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ اس مجاہدہ میں عقل کی رعایت نہیں ہے۔ جو کچھ ہے سب طبیعت کے مذاق کے موافق ہے۔ کیوں کہ طبیعت قیود مکانی اور ہیئات و تعینات کو مقتضی ہے۔

رہا یہ امر کہ طبیعت میں یہ رجحان و میلان کس طرح پیدا ہوا؟ تو تحقیق و تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ طبیعت جس شے سے مغلوب ہوتی ہے وہ صرف ایک شے ہے جس کا نام محبت ہے۔ محبت ہی وہ شے ہے جس سے طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کے سامنے بیکار محض ہو جاتی ہے۔ طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ وہ وہم کی مسخر تھی لیکن محبت کے سامنے سب اوہام بھی جاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی حسین پر عاشق ہو جاتا ہے تو ذلت و خواری رسوائی و بدنامی جو طبیعت کے خلاف تھے سب گوارا کر لیتا ہے۔ عشق عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا۔ غرض محبت سے طبیعت بھی مغلوب ہو جاتی ہے اور محبت کا بقا اور ظہور اسباب سے وابستہ ہے۔ اسباب ہی سے محبت پیدا ہوتی ہے اور اسباب ہی سے باقی رہتی ہے۔ افعال اور ارکان حج میں عشق و محبت کے تمام اسباب کو حسن و خوبی سے جمع کر دیا ہے جن سے عشق خداوندی کی پرورش و نشو و نما بھی ہوتی ہے اور عاشق الٰہی کی تسکین بھی ہے۔ اگر حج بیت اللہ کی عبادت مشروع نہ ہوتی تو عشاق خداوندی غم ہجر سے جان دیدیتے۔ اور درحقیقت یہ عبادت جان دینے ہی کی قربان گاہ ہے۔

اسی لیے حج کا آخری رکن جانور کی قربانی ہے جو فضل خداوندی سے

انسانی جان کا بدل قرار دیدیگئی ہے وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ہم نے اسمٰعیل کا فدیہ بڑی قربانی سے دے دیا۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے جانور کی قربانی کو انسانی جان کا فدیہ بنا دیا۔ ورنہ عشق خداوندی کا اصل تقاضا تو یہی تھا کہ وہ اس قربان گاہ پر اپنی جان قربان کرے۔ پھر یہ مزید فضل و احسان فرمایا کہ جو شخص اس قربان گاہ تک پہنچنے کی استطاعت نہ رکھے اس کے لئے صرف جانور کی قربانی کو ضروری قرار دیدیا جو ہر جگہ کی جاسکتی ہے۔ اور قربانی کی بھی استطاعت نہ رکھے تو وہ اس قربانی کے بجائے دوگانہ عیدالاضحیٰ کے بلند آواز سے تکبیرات کہے اور اپنے عشق و محبت کا برملا اظہار و اعلان کرے۔ اسی لئے ہر نماز میں بیت اللہ کی جانب منہ کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے تاکہ ان کا قلبی تعلق اس مرکز بندگی سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہ نکلے گا جس کے قلب میں بیت اللہ کے حج و زیارت کا شوق موجزن نہ ہو۔ ہر مومن و مسلمان کا قلبی تعلق اس بیت اللہ سے وابستہ ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں رہتا ہو۔ اگر کچھ نہیں ہے تو یہ تعلق بھی اس کی طبیعت کا رنگ بدلنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے غرض عقل انسانی کو مغلوب اور مبہوت کرنے کے لئے حج کی عبادت فرض کی گئی اس عبادت میں تنوع بھی ہے اور عبادت کا دائرہ بھی بہت زیادہ وسیع ہو گیا کہ گھر سے نکلنے کے بعد واپسی تک جو بھی تعب و مشقت کا کام کرے گا وہ عبادت و اطاعت میں داخل ہے بشرطیکہ وہ حق تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی نہ ہو۔ اور نفس انسانی کو انقیاد تام بھی حاصل ہو گیا کیوں کہ حج میں وہ ارکان ادا کرائے جاتے ہیں جو عقول کے بظاہر خلاف ہیں اور طبائع بمشکل سے ان پر آمادہ ہوتی ہیں صرف جذبہ محبت اور فرد معلق ہی

ان کو ادا کراتا ہے۔

"حج بیت اللہ کے منافع اور مصالح"

ہر امر خداوندی بے شمار منافع اور مصالح پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر فرائض خداوندی تو ضروریات بندگی اور لوازمات زندگی سے ہوتے ہیں۔ وہ منافع اور مصالح سے کس طرح خالی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حج کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ۔

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ آئیں گے تمہاری تعمیر کی طرف پیادہ اور دبلی تپلی اونٹنی پر جو دور دراز راستہ سے آئی ہوں تاکہ یہ لوگ اپنے منافع حاصل کریں۔

فرائض خداوندی میں دینی اخروی منافع اور مصالح بھی ہوتے ہیں۔ اور دنیوی منافع بھی۔ دینی منافع اصل اور مقصود بالذات ہوتے ہیں اور دنیوی منافع بالذات مقصود نہیں ہوتے بلکہ ضمناً اور تبعاً حاصل ہوتے ہیں۔ نہ بھی حاصل ہوں تو اخروی منافع کافی ہیں۔ دنیوی منافع کو مقصود بالذات بنانا اور صرف ان کے حصول کے درپے ہونا۔ ان فرائض کی دینی حیثیت کو ضائع اور برباد کرنے کے مترادف ہے۔ فرائض اسی وقت تک فرائض رہتے ہیں جب تک کہ ان کو محض حکم خداوندی کی حیثیت سے بجالایا جائے اور ان سے مقصود محض رضا الٰہی اور فرمانبرداری ہو۔ دیگر اغراض کی شمولیت حقیقی بندگی کے بالکل منافی ہے۔ اور ایک گونہ شرک ہے۔ چنانچہ یہ دنیوی منافع اگر دیگر ذرائع سے حاصل کئے جائیں گے تو وہ فرض عبادت کے قائم مقام کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کو فریضۂ خداوندی شمار کیا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حج میں جن مصالح کی رعایت رکھی گئی ہے ان میں بیت اللہ کی تعظیم ہے کیونکہ یہ شعائر الٰہی سے ہے اور اس کی تعظیم بعینہٖ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعظیم ہے۔ اور ایک عام دربار کا انعقاد ہے کیوں کہ ہر ملک یا دولت کے لئے ایسا عمومی اجتماع ہونا ضروری ہے جس میں اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کے اشخاص مجتمع ہوں تاکہ آپس میں تعارف ہو اور ملی احکام معلوم ہوں اور سب مل کر شعائر ملی کی تعظیم کریں۔ اور حج مسلمانوں کے لئے دربار عام ہے۔ ان کی شوکت اور اجتماعی طاقت اور ان کی عظمت کا ظہور ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے زمانہ سے لوگوں میں جو سنت جاریہ چلی آرہی تھی اسی کی موافقت اور متابعت ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں جلیل القدر انبیاء ملت حنیفیہ کے امام ہیں اور انھوں نے شریعت الٰہی کو عرب میں جاری کیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ آپ کے ذریعہ ملت حنیفیہ رائج ہو جائے اور اس کی شہرت عام ہو جائے جیسا کہ ارشاد ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ تو اب لامحالہ ضروری ہوا کہ جو امور ان اماموں سے مستفیض جیسے خصال فطرت اور مناسک حج ان کی پوری محافظت کی جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے مشاعر پر قائم رہو کیوں کہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے طریق پر ہو جو تمہیں ورثہ میں ملا ہے۔

اور ان اعمال کا اعلان عام ہے جن سے معلوم ہو جائے کہ یہ موحدین کا اجتماع ہے جو کہ تابع ہیں اور ملت حنیفیہ کے پابند ہیں۔ ان نعمتوں پر جو اس ملت کے اوائل

کو عطا کی گئی ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے ہیں جیسے صفا و مروہ کے پاس سعی کرنا اہل جاہلیت نے جو شرکیہ رسوم حج میں شامل کر دی تھیں اور وہ اعمال حج میں شامل کر دیئے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے۔ اور شرک پر مشتمل تھے۔ ان کو حج سے خارج کرنا ہے۔ کیوں کہ اہل جاہلیت بھی حج کرتے تھے اور حج ہی ان کا اصل دین تھا۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۰)

حج بیت اللہ کی اہم حکمتیں چار ہیں۔ جن کو ذرا وضاحت سے لکھا جاتا ہے،

(۱) "فرشتوں کے ساتھ مشابہت"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو روئے زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں کو اس میں خلجان ہوا کہ جس مخلوق کی طینت اور فطرت میں شر و فساد اور قتل و غارت گری کا مادہ رکھا ہوا ہے وہ اس اہم امانت کا بوجھ کس طرح اٹھا سکتی ہے؟ اور حق نیابت کس طرح ادا کر سکتی ہے؟ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔ کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو اس میں فساد پھیلائیں اور خونریزی کریں۔

چونکہ علم خداوندی میں تھا کہ باوجودیکہ ان کی فطرت میں شر و فساد کا مادہ ہے انکی فطرت میں جوہر انسانیت بھی رکھا ہوا ہے جو ان کو حق ہستی کی طرف مائل کرے گا اس لئے ارشاد ہوا إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (میں جانتا ہوں

جو تم نہیں جانتے)۔ اور یہی درحقیقت انسان کا اصل کمال ہے کہ جہد و ریاضت اور طاعت و عبادت سے اپنی نفسانیت اور حیوانیت کو مغلوب اور منقاد بنا لیتا ہے۔

پس بنی نوع انسان کے لئے سال میں سے چند مہینے ایسے مقرر کیے گئے جن میں اس کی حیوانیت اور نفسانیت کی ساری خصلتوں کو بالکل ترک کرایا گیا اور جوہر انسانیت کو نمایاں کر کے فرشتوں کے ساتھ مشابہت اور مسابقت کا پورا موقع فراہم کر دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔

حج چند مشہور مہینے ہیں پس جو شخص ان میں اپنے پر حج لازم کرے تو اس کے لئے زمانہ حج میں نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا (بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک کاموں میں لگا رہے) اور جو کچھ تم نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور تم زاد راہ ساتھ لو اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اور ڈرو تم مجھ سے اے عقل والو۔

اس آیت کریمہ میں حجاج کے لئے بتلا دیا گیا کہ ایام حج میں تمہارے لئے سارے حیوانی کام سختی کے ساتھ ممنوع ہیں یہ ان ہی منہیات کے ترک کی خصوصی مشق و ریاضت ہے۔ تمہارا کام ان ایام میں صرف نیک کاموں میں مشغول رہنا ہے۔ ان میں تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو توشہ ساتھ لاؤ اور اسی

توشہ میں اضافہ کرو تاکہ تمہاری ملکوتی صفات نمایاں ہو جائیں اور حیوانی نفسانی خصلتیں مغلوب و مقہور ہو جائیں۔

بندگی کا اجتماعی اعتراف و اعلان

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے روز ازل میں پہلے تمام ارواح انسانی کو پیدا فرما کر میدان عرفات میں ان سے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا اعتراف و اقرار کرایا تاکہ وہ دنیا میں آنے کے بعد اپنی پوری زندگی کو بندگی کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری میں گذاریں اور احکام و اوامر خداوندی سے سرمو انحراف نہ کریں۔ یہی اسلام کا مفہوم اور ایمان کا اصل تقاضا ہے جس کے لئے تمام انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

اب عرفات کے اس سالانہ عظیم الشان ملی اجتماع سے مقصد اسی اعتراف و اقرار کی یاد دہانی ہے۔ اور خدا پرستوں کی جانب سے اس اعتراف کی پاسداری اور ادائیگی ہے کہ جیسا کہ روز ازل میں ہم نے اللہ رب العزت کی ربوبیت اور خالقیت اور حاکمیت کا اعتراف کیا تھا ہم اللہ کے فضل سے اس پر قائم ہیں۔ اور اللہ رب العزت کی بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری میں استطاعت و قدرت کے موافق مصروف و مشغول ہیں اور جس قدر کمی اور کوتاہی ہم سے سرزد ہوئی اس پر نادم و شرمسار ہیں اور اپنے عجز و قصور کے معترف اور مغفرت و معافی کے خواستگار ہیں۔ اسی لئے اس ملی اجتماع میں صرف وہی اشخاص شریک ہو سکتے ہیں جو مومن اور مسلمان ہیں اور اللہ و رسول اور یوم آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ ہر شخص اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ عالم ارواح میں اجتماعی

عہد لیا گیا تھا ویسا ہی اس عالم میں ہر سال اجتماعی یاددہانی اور بندوں کے لئے اس کا اجتماعی ایفا بھی ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ ربوبیت کا اعتراف اور بندگی کا عہد عالم ارواح میں لیا گیا۔ اسی طرح اس اجتماعی بندگی کی دعوت عام بھی اول انسانی ارواح کو دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرات ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر بیت اللہ کے بعد جب فاران کی چوٹی سے حج بیت اللہ کا اعلان فرمایا تو اس پر ہر سعادتمند روح نے لبیک کہا۔ اور لبیک (ہم حاضر ہیں) پکارتی ہوئی وہ اس فریضۂ بندگی سے سبک دوش ہو گی۔ اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کرے گی۔ چنانچہ اطراف عالم کے نمائندہ منتخب اشخاص ہر سال اس عہد و پیمان کو میدان عرفات میں پورا کرتے ہیں۔

(۳) سفر آخرت کی یاددہانی

دنیا کی زندگی اور یہاں کی آسائش و زیبائش چند روزہ ہے۔ اس کے بعد آخرت کی زندگی شروع ہو گی جو ابدی دائمی زندگی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہنا ہے۔

سفر حج درحقیقت اسی سفر آخرت کی یاددہانی ہے تاکہ آنے والی کٹھن مشکلات کے لئے انسان پہلے سے تیار ہو جائے اور ایک بار کے سفر سے دوسرے سفر کا عادی اور خوگر بن جائے۔ اسی لئے سفر حج کے ہر ہر موقع پر سفر آخرت کا ایک نمونہ نظر آتا ہے۔

حج کے ارادہ سے جس وقت گھر سے نکلتا ہے تو تمام عزیز و اقارب اور دوست

احباب اور مال و دولت کو چھوڑ کر پردیس کا رخ کرتا ہے۔ اسی طرح مرنے والا سب کے وقت سب چھوڑ کر آخرت کا رخ کرتا ہے۔ دونوں مسافر مسرور شاداں و فرحاں ہیں، ایک بیت اللہ کی جانب جا رہا ہے تو دوسرا رب البیت کے حضور میں حاضر ہو رہا ہے۔ احرام کی دو چادریں کفن کی دو چادروں کی یادگار ہیں۔ جو دنیا سے جانے کے وقت اس کے ساتھ ہوں گی۔ باقی ساری دولت دوسروں کی ہو گی۔

احرام باندھنے کے بعد بار بار لبیک (حاضر ہوں) اس حاضری کی یاد دہانی ہے جو روز حشر منادی حق کی آواز پر ہو گی۔ یَوْمَئِذٍ یَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَہٗ۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا دار آخرت کا داخلہ ہے۔ جہاں بیم و رجا کے ساتھ انسان پہنچتا ہے اور صرف مولیٰ کریم کے رحم و کرم پر نظر ہوتی ہے۔

بیت اللہ کی زیارت آخرت میں دیدار خداوندی کی سعادت کو یاد دلاتی ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان پریشان حال پھرنا اس پریشان حالی کو ظاہر کرتا ہے جو قبروں سے نکلنے کے بعد لاحق ہو گی۔ اور ہر شخص حیران و پریشان ہو گا۔ عرفات کا میدان اور وہاں کا اجتماع تو حشر کے میدان اور وہاں کے اجتماع کا پورا نمونہ اور صحیح نقشہ ہے۔ ایک لق و دق میدان مختلف طبقات انسانی کا اجتماع پھر آفتاب کی تمازت گرمی کی شدت آب و دانہ کی قلت جگہ کی غیر موانست اور ہر شخص کی جداگانہ حیرانی اور پریشانی۔ کبھی مغفرت کی امید۔ کبھی معاصی کا خوف کبھی رحم و کرم کی درخواست اور کبھی عفو تقصیرات کی التجا۔ غرض اسی بیم و رجا

کی حالت میں سارا وقت گذرتا ہے اور یہی سارے امور میدان حشر میں بھی پیش آنے والے ہیں۔ عالم آخرت کے پیش آنے والے حالات کا پورا نقشہ سفر حج میں قائم کر دیا گیا۔ جس قدر سفر حج کو عقل و شعور اور فہم و تدبر کے ساتھ پورا کرے گا۔ اسی قدر سفر آخرت میں سہولت و آسانی ہو گی۔ کیوں کہ دونوں سفروں کا اصل زاد راہ تقوی و پرہیزگاری اور خدا پرستی و خدا ترسی کی زندگی ہے جو زندگی کا اصل مقصود ہے۔

(۴) "عشق و محبت خداوندی کا جلوہ عام"

ہر انسان کی فطرت میں جذبہ محبت ودیعت رکھا ہوا ہے جو انسان کا اصل جوہر ہے۔ وہ انسان انسان ہی نہیں جو جذبۂ محبت سے خالی ہو اور وہ دل دل ہی نہیں جو داغ دار نہ ہو۔ اس جذبۂ عشق و محبت کا اصل مرکز وہ ذات پاک ہے جو ہر جمال و کمال کو حاوی ہے اور تمام صفات کمال سے بالذات متصف ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اسی لئے ہر مومن و مسلمان کا قلب محبت خداوندی سے ہر وقت معمور اور آباد رہتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے وہ اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں۔

پس ایمان درحقیقت نام ہے اللہ اور رسول کے ساتھ فرط تعلق اور کمال عشق و محبت کا جو جذبۂ عظمت و ہیبت لئے ہوئے ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

نے اپنی پاک زندگی میں اس عشق و محبت کی مثال قائم کی اور دنیا کے لئے عاشقانہ زندگی کا اسوہ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ قائم فرما دیا۔ اسی لئے ملت ابراہیمی کو اصل ملت قرار دیا گیا اور قبلہ ابراہیمی کو اس عشق و محبت کی خصوصی تجلی گاہ اور مرکزی عبادت گاہ بنا دیا گیا۔

انسان کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ دو نوع کا ہے ایک بندگی اور غلامی کا کہ وہ ذات پاک مالک ہے خالق ہے احکم الحاکمین ہے اور یہ بندہ مملوک ہے اور اس کی مخلوق ہے۔ اس تعلق کا ـــــ مظہر نماز ہے جو سراسر بندگی و غلامی اور نیاز مندی پر مشتمل ہے۔ اس تعلق کی پوری تعمیل زکواۃ سے ہوتی ہے کہ مالک کا عطا کیا ہوا مال اس کے حکم سے اس کے نادار بندوں پر خرچ کیا جائے۔

دوسرا تعلق عشق و محبت کا ہے کہ جمال و کمال پر فریفتگی انسان کا فطری تقاضا ہے اس تقاضے اور جذبے کو پورا کرنے کے لئے حج بیت اللہ مقرر کیا گیا۔

اعتراف غلامی اور ادائے بندگی کے لئے کسی چیز کو چھوڑنے کی حاجت نہ تھی گھر سے نکلے فریضۂ بندگی اور شیوہ غلامی ادا کیا۔ بارگاہ خداوندی میں حاضری دی اور بس لیکن راہ عشق میں سب کچھ چھوڑنا اور ہر شے کو خیرباد کہنا ہوگا کیونکہ یہ راہ عشق کی اولین شرط ہے بندگی سے آراستگی گھر کے گوشہ میں ملے تو عشق و محبت کی تکمیل کے لئے دشت و ویرانہ درکار ہے محبوب کی طلب و جستجو میں دیوانہ وار دیار محبوب کا رخ کر لیا اور جب دیار محبوب کے قریب پہنچا تو ہر نوع کی زیب و زینت آرائش و زیبائش سے آزاد ہو گیا۔ نہ سر پہ ٹوپی نہ بدن پہ کرتا اور نہ ٹانگوں

ہیں پاجامہ کیوں کہ عاشق دیوانہ لباس اور آرائش وزیبائش کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اپنی مجنونانہ ہیئت میں مست و سرشار رہتا ہے۔ یہی احرام باندھنے کی حقیقت ہے۔ ؎

چشم تر خاک بسر چاک گریباں دل زار　　عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا

غرض جب دیار محبوب کے قریب پہنچے تو پراگندہ حال دل بیتاب حالت زار چشم پرنم، میلا کچیلا غبار آلود عاشقانہ صورت اور مجنونانہ ہیئت کے ساتھ پہنچے کہ عشق و محبت کا یہی دستور ہے اور یہی انسانیت کا اصلی کمال اور بندگی کا اعلیٰ مقام ہے۔ عاشقوں کا شیوہ اور دیوانوں کا دستور آہ و فغاں بھی ہوتا ہے اس سے دل بیقرار کو ایک گونہ تسکین ہو جاتی ہے اسی لیے حج کرنے والا مستانہ وار لبیک چیختا پکارتا دیوانوں کی طرح محبوب کی جستجو میں اس کی خصوصی تجلی گاہ کی جانب جاتا ہے۔ پھر جب محبوب کے گھر خانہ کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو دل بے قابو ہو جاتا ہے۔ عقل مبہوت ہو جاتی ہے کسی ننگ و نام آن شان کی پروا نہیں رہتی اور کسی ضابطہ و قانون کا پابند نہیں رہتا بے اختیار محبوب کے گھر کا چکر کاٹتا ہے یہی طواف کعبہ ہے اور اس کے در و دیوار کو چومتا ہے اس کی چوکھٹ سے آنکھوں کو ملتا ہے اور اپنی پیشانی رگڑتا ہے۔ ؎

امر علی الدیار دیار لیلیٰ　　اقبل ذا الجدار وذا الجدار

طواف کعبہ کی ابتدا بھی حجر اسود کے بوسہ سے ہوتی ہے جس کو محبوب کے دست مبارک کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے تاکہ اس انتساب سے دل کی بھڑکی ہوئی آگ کو تسکین ہو۔ جس کی لذت و حلاوت کا احساس عاشق مہجور ہی کر سکتا ہے۔

خانۂ کعبہ کے پردہ کو پکڑنا آنکھوں سے لگانا رب کعبہ کو بار بار پکارنا بھی اسی
عاشقانہ ادا کی ایک جھلک ہے کہ معشوق کے دامن سے وابستگی بھی عشق و محبت کا
نرالا انداز ہے۔

اے ناتوان عشق تجھے حسن کی قسم دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جا سکے

اللہ رب العالمین نے ایک ذرہ خاک بے حیثیت انسان کو شرف باریابی عطا
فرمایا اور اپنی خصوصی تجلیات اور انعامات سے نوازا اس شکرانہ میں فریضہ بندگی
ادا کرتا ہے اور مقام ابراہیم پر خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت واجب کے طواف
ادا کرتا ہے۔ پھر زمزم پر آتا ہے جی بھر کر خوب سیر ہو کر شراب طہور پیتا ہے اور پیمانہ پر
پیمانہ پیے چلا جاتا ہے۔ مستی و دیوانگی زیادہ ہوتی ہے مگر طبیعت کسی حال سیر نہیں
ہوتی دیوانوں کی طرح باہر کی طرف نکل جاتا ہے کبھی کوہ صفا پر چڑھتا ہے اور کبھی
کوہ مروہ پر چڑھتا ہے کہیں ..... دوڑتا
ہے کہیں آہستہ خراماں چلتا ہے ہر لحظہ محبوب کا نام زبان پر رہتا ہے یہ صفا مروہ
کی سعی ہے۔ عاشق شاد کام اسی کرب و بے چینی میں ہوتا وجیران محبوب کے در پر پڑ جاتا
ہے۔ اور اس کے گھر کے بار بار طواف سے دل مضطر کو تسکین دیتا رہتا ہے۔
اور منتظر رہتا ہے کہ شائد کسی وقت مخصوص بلاوا آجائے اور خصوصی التفات ہو۔
بالآخر یہ تمنا بھی پوری ہوتی ہے اور ایک دربار خاص میں عشاق کے
مجمع کو تجلی خاص کی اطلاع دی جاتی ہے جو روز ازل سے عام مغفرت و معافی کا
دن مقرر ہے۔ دیوانوں میں نئی روح پھونک جاتی ہے آتش شوق بھڑک اٹھتی
ہے۔ وقت مقررہ سے پہلے ہی تجلی گاہ کی جانب نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور راستہ

میں منیٰ میں ٹھہر کر وقت مقررہ کا انتظار کرتے ہیں۔ وقت مقررہ پر ذوق وشوق کے ساتھ میدان عرفات میں پہنچتے ہیں جنگل میں منگل کا نظارہ ہوتا ہے۔ اطراف عالم کے منتخب پرستاران حق اور وارفتگان عشق کا پرجوش اجتماع ہوتا ہے ہر ایک بے تاب دل پر آشوب چشم جمال محبوب کا خواہاں اور جویاں ہوتا ہے۔ اسی لئے آج ظہر اور عصر کی نماز پہلے ایک ساتھ پڑھ لی جاتی ہے تاکہ اس اجتماعی کیفیت میں خلل نہ آئے۔ یہاں عشق ومحبت کی تسکین کا پورا سامان ہوتا ہے محبوب کی جانب سے پورے لطف وکرم اور عطاء وبخشش کا اظہار ہوتا ہے عام مغفرت اور معافی کی ارزانی ہوتی ہے۔ ہر نوع کے انعامات کی فراوانی ہوتی ہے اور ہر منھ مانگی مراد پوری کی جاتی ہے۔ شادکام بامراد وہاں سے لوٹتے ہیں مزدلفہ میں پہنچکر شکر وامتنان کے جذبات پیش کرتے مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے ہیں اگرچہ نماز مغرب وقت سے موخر ہوگئی کیوں کہ حجاج کے لئے اس دن نماز عصر کو مقدم کر دیا گیا ہے اور نماز مغرب کو موخر۔ یہ اس روحانی اجتماع کا خصوصی اہتمام ہے۔

پھر فرط محبت اور دفور شوق میں دیوانہ وار منیٰ پہنچ کر شیطانوں کے کنکریاں مارتے ہیں جو محبوب کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اور تعلق خداوندی سے مانع تھے۔ پھر خوشی خوشی شادان وفرحاں محبوب کی قربان گاہ پر قربان ہوجاتے ہیں اور اپنے فدیہ میں ایک جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں کہ یہی عشق ومحبت کا آخری انجام ہے اور ہر عاشق صادق اور دل بے قرار کی آخری آرزو ہوتی ہے ؎

کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو
دل مضطر کی پوری آرزو ہو

اور تین دن یہاں ٹھہرتے ہیں تاکہ اندرون سے اچھی طرح شیطانی اثرات کا ازالہ ہو جائے۔ اس شراب عشق کی کیفیات کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلق خداوندی سے سرشار ہیں اور جو اقوام و اشخاص نجس شراب کے نشہ میں مدہوش ہیں خواہشات و لذات نفسانی میں مگن ہیں۔ وہ ان روحانی کیفیات کا کسی طرح بھی ادراک و شعور نہیں کر سکتے۔ اور جب یہ تصور قائم رہتا ہے کہ یہ جو کچھ عقل و طبیعت کے خلاف کام کر رہا ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کے آثار اور شعائر خداوندی ہیں تو ان کی ادائیگی میں بھی جذبہ اطاعت و انقیاد میں ترقی ہوتی ہے اور اس دیوانگی میں بھی فرزانگی باقی رہتی ہے۔ اسی لئے تمام افعال کے آداب وحدود متعین ہیں تاکہ فرط شوق میں حد سے تجاوز نہ کرے اور ہر حال میں اپنے پروردگار کا مطیع و منقاد بنا رہے۔

اس تعلق عشق و محبت کی تکمیل روزہ کے ذریعہ ہوتی ہے کیوں کہ بھوک اور پیاس سے ناآشنا بے نیاز ہو جانا اس عشق و محبت کی پہلی نشانی ہے۔ عشق بھوک پیاس سب ختم کر دیتا ہے۔ پہلے بھوک اور پیاس اور ترک شہوت کا خوگر بنا کر قوائے شہوانیہ کو معتدل بنا کر نفس کو خلاف طبع اور مکارہ کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ پھر جب انسان میں پوری صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو حضرت عشق اپنا جلوہ دکھلاتے ہیں اور ہر ماسوا اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور بے نیاز بنا دیتے ہیں۔ یہی بندگی کا اعلیٰ مقام ہے

غرض ان چار فرض عبادات سے دونوں نوع کے تعلق خداوندی کی نشوو
نما اور تکمیل بھی ہے۔ اور اُن مجاہدوں میں نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر بھی ہے۔
تاکہ نقوس انسانی پاکیزہ ہو کر اخلاق خداوندی کے خوگر بن جائیں اور صفات خداوندی
کے رنگ میں رنگے جائیں۔

تہذیب اخلاق

اس سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اخلاق کی تہذیب اور تربیت کے بعد ہر انسان صحیح معنی میں انسان بنتا ہے اور اس کی انسانی صفات اور خوبیاں نمایاں ہوتی ہیں اس لئے ہر جگہ تربیت گاہیں اور تعلیم گاہیں قائم کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں میں انسانیت آئے درندوں اور چوپاؤں کی زندگی سے نکل کر مہذب اور شائستہ انسان بنیں۔

اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اخلاق کی تہذیب نفس کے تزکیہ کے بغیر کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اگر نفس کو آزاد اور آوارہ چھوڑ دیا جائے تو کبھی کسی طرح بھی انسانی اخلاق کی تہذیب و درستی نہیں ہو سکتی اسی لئے نفوس کے لئے قسم قسم کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں اور مختلف ریاضتوں اور مشقتوں میں انکو مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ ان کو مطیع و منقاد بنا کر ان کا رخ صحیح کیا جائے اور ان کی آزادی و آوارگی کو مغلوب کیا جائے۔ ریاضت و مشقت کے بغیر نہ کوئی کام ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور ریاضت و مشقت اور جد و جہد کے بعد کوئی کام دشوار نہیں.....

مَنْ جَدَّ وَجَدَ (جو کوشش کرتا ہے اس کا ثمرہ پاتا ہے)

اختلاف اگر کیا جاتا ہے تو اس امر میں کیا جاتا ہے کہ نفوس کو کن امور کا پابند کیا جائے اور کس ہستی کا مطیع و منقاد بنایا جائے کہ یہ صحیح راستہ پر استوار قائم رہیں۔ تمام انبیاء اور رسولوں اور خداوند عالم کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی متفقہ تعلیم یہ ہے کہ نفوس کا اصل تزکیہ یہ ہے کہ (ان) کو خداوند عالم خالق کائنات کا مطیع و منقاد بنایا جائے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کی تربیت اور پرورش کر رہا ہے۔ اس ہستی کے سوا یہ کسی کی بھی اطاعت و انقیاد نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ خالق نے ان کو صرف اپنی اطاعت کے لئے وجود عطا کیا ہے۔ یہ امر بالکل عقل و فہم کے خلاف ہے کہ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اسے کسی دوسرے مصرف میں لگا کر بے کار کیا جائے۔ پھر یہ وہی اخلاق اختیار کریں گے جو خالق کی صفات کمال ہیں جلہ جلالہ۔ چنانچہ انبیاء اور رسولوں نے خالق عز اسمہ کا مطیع و منقاد بن کر اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ مخلوق کے سامنے پیش فرما دیا۔

اخلاق کی تقسیم

خلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کو کہتے ہیں جو افعال خیر یا شر کا اصل مبدا ہے جہاں سے ان افعال کا صدور و ظہور ہوتا ہے۔

اب جو افعال خیر کے مبادی ہیں وہ "اخلاق حسنہ" ہیں اور جو افعال شر کے مبادی ہیں وہ اخلاق سیئہ۔ اخلاق حسنہ کا منشا چند امور ہیں۔ فطرت[1] کی پاکیزگی یا عادت[2] کی خوبی یا عقل[3] کی راستی یا ایمان باللہ[4] یا توحید باری[5]۔ یہی وہ اسباب ہیں جن سے اخلاق حسنہ کا ظہور ہوتا ہے۔

فطرت کی پاکیزگی اخلاق حسنہ کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ نفس کی اصل فطرت وجبلت میں طبعی خباثت سے پاکیزگی کا مادہ پایا جائے اور ابتدائے پیدائش اور بچپن ہی سے بے زحمت بے تکلف حسن خلق کے آثار صدق وامانت اور ایثار وشفقت وغیرہ اس سے ظاہر ہوں۔ اور پھر روز بروز ان میں اضافہ اور افزونی ہوتی رہے۔

اس سبب کے پیدا ہونے میں ماں باپ کے نطفہ کا پاکیزہ ہونے اور غذا ودودھ وغیرہ کے پاک ونظیف ہونے سے اور دودھ پلانے والی کے اخلاق حسنہ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہ سب امور مجتمع ہو جائیں یا ان میں سے کوئی امر وجود میں آجائے تو وہ فطرت کی پاکیزگی کا باعث ہو جاتا ہے۔ پس جس قدر ان کے فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی اسی قدر فطرت ابتداء سے پاکیزہ ہوگی۔

عادت کی خوبی اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ ابتدا ہی سے اس کو نیک لوگوں کی تربیت نصیب ہو جائے اور ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی نیکی اور خوبی کے نقوش اس پر بھی منقش ہوتے اور ان کے اخلاق حسنہ کے بار بار ہمیشہ دیکھتے رہنے سے اس میں بھی وہ اخلاق حسنہ جڑ پکڑ جاتے ہیں اور راسخ ہو جاتے ہیں اور اس کے اندرون کے صفات ذمیمہ اور اخلاق سیئہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے ارشاد ربانی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

انسان پر اصل اثر اس کے ماحول اور اس کے ہمنشینوں کا پڑتا ہے۔ جیسی صحبت

ہوتی ہے رفتہ رفتہ ویسا ہی بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اب جیسی صحبت میں بچہ ابتدا سے پرورش اور نشو و نما پائے گا ویسے ہی اس کی عادات ہوں گی۔ اسی لئے تمام حکماء اور عقلاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچوں کو بری صحبت سے بچایا جائے اور اچھے ماحول میں رکھا جائے تاکہ ان میں اچھی عادات اور اچھے اخلاق پیدا ہوں اور بری عادات اور برے اخلاق سے ان کی حفاظت ہو جائے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند

عقل اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح بنتی ہے کہ کسی کی عقل میں وہ نورانیت اور صفائی آجائے جس کی وجہ سے اس کو خیر و شر کی تمیز ہو جائے۔ اور اخلاق حسنہ کی طرف رہنمائی ہو جائے اور ان کے حصول کا ارادہ اس میں پیدا ہو جائے۔ اب جب بار بار ان اخلاق حسنہ اور صفات حسنہ کا تصور اس کے دماغ میں آئیگا تو یہ صفات اس کے نفس میں نقش ہو جائیں گی اور اس کی عادت و جبلت بن جائیں گی۔ عقل کے ذریعہ تمام اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو جائے گا اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی عقل کو نورانی بنایا جائے اور ان عقول کا پابند بنایا جائے جو نورانی بن چکی ہیں اگر اپنی عقل کے پیچھے رہے گا تو ہمیشہ بھٹکتا رہے گا۔

ایمان باللہ اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ کے لئے آخرت کا ایمان و یقین لازمی شرط ہے جہاں ثواب یا عقاب مرتب ہوگا اچھے اعمال کا اچھا بدلہ دیا جائے گا اور برے اعمال کی سزا دی جائے گی

جب تک آخرت اور جزا و سزا پر یقین نہ ہو اللہ رب العالمین پر ایمان و یقین کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں کی یہ متفقہ تعلیم ہے اور عقیدہ آخرت متفقہ عقیدہ ہے اس عقیدہ سے انحراف تو تمام الہامی خدائی مذاہب سے انحراف ہے۔

تمام الہامی مذاہب میں اخلاق حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور یہی وہ اعمال ہیں جن کا اچھا بدلہ روز حشر دیا جائے گا اور تمام اخلاق سیئہ سے منع کیا گیا ہے اور یہی وہ اعمال ہیں جن پر سزا دی جائے گی۔ اب جب کسی شخص کو ایمان باللہ حاصل ہوگا تو وہ لامحالہ اخلاق حسنہ پر اجر و ثواب اور اخلاق سیئہ پر سزا و عذاب کا عقیدہ رکھے گا اور اس اعتقاد کی وجہ سے امور خیر اور اخلاق حسنہ کی رغبت اس میں پیدا ہوگی اور امور شر اخلاق رذیلہ سے اس کو نفرت ہوگی۔ اور اخلاق حسنہ کا خوگر بن جائے گا۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ایمان باللہ صحیح اور مستقیم کیا جائے۔ ایمان باللہ میں خرابی اور کجی تمام اخلاق اور اعمال کو گندہ و پراگندہ خراب و خستہ کر دیگی یہی وجہ ہے کہ تمام دیگر مذاہب والوں میں بھی اخلاق حسنہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ہر مذہب میں ان کی تعلیم ہے۔ مگر ایمان باللہ میں خرابی اور کجی پیدا ہو جانے کی وجہ سے یہ اخلاق حسنہ بھی نتیجہ خیز نہیں ہوتے اور انجام کار شر و فساد کا منبع بن جاتے۔ پھر یہی خرابی کیا کچھ کم خرابی ہے کہ یہ عالم آخرت میں بارگاہ خداوندی میں قابل پذیرائی نہیں ہوتے۔ ان کا بدلہ اسی دنیوی زندگی میں دے دیا جاتا ہے۔

توحید باری اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ جب صرف اس ایک ذات وحدہ لاشریک لہ سے تعلق خاطر وابستہ ہو جاتا ہے تو اسکی تجلی خاص اس کو اپنے سے فانی فارغ کر کے ذات حق کی واصل بنا دیتی ہے۔ اس وقت اس کا قلب بمنزلہ عرش الٰہی ہوتا ہے اور اس کا نفس صفات خداوندی کا مظہر بن جاتا ہے اور اخلاق خداوندی کا خوگر بن جاتا ہے۔ اس خلق سے بالا کوئی دوسرا خلق نہیں ہے جو شخص اس مرتبہ و مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے وہ مرتبہ و مقام حاصل کر لیا کہ اس سے بلند و بالا کوئی دوسرا مرتبہ و مقام نہیں ہے۔ اس مرتبہ و مقام کا کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اسی لئے آپؐ کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (بے شک تم خلق عظیم پر ہو) آپ کے بعد آپ کے خواص امت میں سے اس کی مناسبت اور تقرب کے بقدر ہر ایک کو حصہ عطا کیا گیا ہے۔

اخلاق حسنہ کے جس قدر اضداد ہیں وہ سب کے سب اخلاق سیئہ ہیں اخلاق سیئہ کا منشا بھی چند امور ہیں طینت[1] کی خباثت۔ جبلت[2] کا فساد۔ سوء[3] عادت اور بری صحبت[4] وہ اسباب ہیں جن سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان برے اخلاق کے برے اثرات اس زندگی میں پڑتے ہیں۔ اور اخروی زندگی بھی خراب ہوتی ہے۔

اخلاق کی تبدیلی

بعض علماء اور حکماء کا خیال ہے کہ خُلق کی تبدیلی ممکن نہیں ہے جس طرح صورت کی تبدیلی ممکن نہیں کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (اللہ کی خلقت میں تبدیلی

نہیں ہے، اسی طرح اس کی سیرت میں بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

فرغ ربکم من الخلق والخُلق والرزق والاجل — تمہارا پروردگار صورت اور سیرت اور رزق اور موت سے فارغ ہو چکا۔

دوسرے علماء اور حکماء فرماتے ہیں کہ خلق کی تبدیلی ممکن ہے ورنہ شرائع الٰہیہ تحسین اخلاق کی تاکید نہ فرماتی۔ اور شرائع الٰہیہ کے ذریعہ اخلاق کی تحسین کی بھی گئی ہے۔ صحیح یہی مذہب ہے ورنہ جس قدر سعی اور مجاہدات اس سلسلہ میں کئے گئے سب بے فائدہ ہوں گے اور تمام درس گاہیں اور تربیت گاہیں بے سود و بے کار ہونگے جس طرح صورت کو حسین بنانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور رزق کی افزائش کے لئے کوششیں کی جاتی ہیں اور سخت سے سخت مہلک بیماریوں کی دوائیں کی جاتی ہیں اسی طرح سیرت کی درستی اور اخلاق کی تحسین کے لئے بھی مجاہدے اور ریاضتیں کی جاتی ہیں۔ جب تہذیب و تربیت کے بعد جانوروں کے اخلاق و عادات بھی بدل جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نفس کے تزکیہ اور تہذیب کے بعد انسانوں کے اخلاق کی تحسین نہ ہو۔

"تہذیب اخلاق کا طریقہ"

قادر مطلق نے انسان میں مختلف قوتیں رکھی ہیں اور ہر ایک کا میدان عمل اور طبعی رجحان جدا ہے۔ علماء علم اخلاق نے ان میں سے تین کو اصل قرار دیا ہے۔ باقی قوتوں کا اعتدال انہی پر موقوف ہے۔ قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ، قوت ملکیہ،

ان میں پہلی دو قوتوں کا تعلق انسانی خواہشات اور جذبات سے ہے۔ جس قدر ان میں افزونی ہوگی خواہشات و جذبات میں افزونی ہوگی صرف آخری قوت (ملکیہ) کا تعلق روحانی نشو و نما سے ہے۔ پہلی دونوں قوتیں ہمیشہ بدی اور برائی کی طرف کھینچتی ہیں۔ اور تیسری قوت کی کشش نیکی کی جانب ہوتی ہے۔ جب تک پہلی دو قوتیں کمال پر رہتی ہیں اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ انسان معصیت اور برائی سے بچے اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو۔ کیوں کہ اس کی قوت ملکیہ مضمحل اور کمزور ہے اور جب قوت ملکیہ میں کمال پیدا ہو جاتا ہے اور اس حد تک قوت حاصل کر لیتی ہے کہ وہ پہلی دونوں قوتوں کو مغلوب کر سکے تو پہلی دونوں قوتیں مضمحل اور کمزور ہو جاتی ہیں اور معصیت اور برائی کی ان میں ہمت نہیں رہتی۔ قوت ملکیہ ان کو نیکی کی جانب مائل کر دیتی ہے اور نفس کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کر دیتی ہے۔

پس تہذیب اخلاق کا طریقہ صرف یہ ہے کہ قوت ملکیہ کو عروج و کمال پر پہنچایا جائے تاکہ وہ غالب ہو کر پہلی دونوں قوتوں کو مغلوب اور مقہور کر کے ان پر حکمرانی کر سکے اور قوت ملکیہ کو عروج و کمال صرف روحانیات اور ایمانیات سے حاصل ہوتا ہے۔ جب تک نفس روحانی لذات سے آشنا نہیں ہوتا مادی لذات کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔

تہذیبِ اخلاق کا خداوندی نظام

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اعلیٰ مخلوق کے نفوس کا تزکیہ و تطہیر اور ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین ہے تاکہ وہ بارگاہ خداوندی میں پیشی

کے لائق ہو جائیں اور ملاءِ اعلیٰ سے وابستہ ہو جائیں۔ اس مقصد کی پوری تکمیل سید الانبیاء والمرسلین سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام دی گئی اور اخلاق کو درجہ کمال و تمام تک پہنچایا گیا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق۔ — میں اس لئے بھیجا گیا تاکہ مکارم اخلاق کو درجہ تمام و کمال تک پہنچا دوں۔

اور امت مسلمہ کو تحسین اخلاق کا امر فرمایا اور تحسین اخلاق کو عبادت میں داخل فرما کر کمال ایمان اور آخرت کے لئے ترقیِ درجات کا ذریعہ قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔

حسنوا اخلاقکم — تم اپنے اخلاق کو اچھے بناؤ

کیوں کہ یہ کمال ایمان اور خوبی ایمان کی علامت ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

اکمل المومنین ایماناً واحسنھم خُلقاً (ترمذی) — مومنوں میں زیادہ کامل ایمان ان کا ہے، جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

صحیحین کی روایت میں ہے۔

انّ من خیارکم احسنکم خلقاً۔ — بے شک تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزِ حشر میزان عمل میں حُسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند فرماتے ہیں جو فحش گو اور بے ہودہ بکواس کرنے والا ہو (نزھہ از ترمذی)

نیز ارشاد فرمایا مجھے محبوب تر اور مجھ سے قریب تر قیامت میں وہ مسلمان ہوں گے جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہیں اور مجھ سے مبغوض تر اور مجھ سے بعید تر وہ مسلمان ہوں گے جو بکواس کرنے والے اور بڑھ بڑھ کر بات کرنے والے اور بڑائی جتلانے والے ہیں (نزھ از ترمذی)۔ پس معلوم ہوا کہ حسن خلق اللہ اور رسول دونوں کو محبوب اور پسند ہے اور اخلاق سیئہ اللہ و رسول دونوں کو مبغوض اور ناپسند ہیں تو لامحالہ جنت کے مراتب پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کون لوگ زیادہ جائیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ لوگ جو متقی و پرہیزگار ہوں گے اور ان کے اخلاق پاکیزہ ہوں گے (ترمذی) اور آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے کو چھوڑ دے میں اس کے لئے اطراف جنت میں ایک محل کا ذمہ دار ہوں اور جو شخص جھوٹ کو ترک کرے میں اس کے لئے وسط جنت میں ایک محل کا ذمہ دار ہوں اور جو شخص حسن خلق اختیار کرے میں اس کے لئے جنت کے اعلیٰ ترین مقام پہ ایک محل کا ذمہ دار ہوں (نزھ از ابی داؤد)

جب حسن خلق بھی عبادت ہے اور اہم عبادت ہے تو اس کی وجہ سے عبادت گذاروں کا مرتبہ اور مقام حاصل ہونا ایک بدیہی صاف بات ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے اس شخص کا مرتبہ پالیتا ہے جو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات کو نماز پڑھتا ہو (نزھ از ابی داؤد) اور خلق حسن کا اصل معیار یہ ہے کہ انسان صفات خداوندی میں رنگا جائے اور اخلاق خداوندی کا خوگر بن جائے چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ تخلقوا

باخلاق اللہ (تم اخلاق خداوندی کے خوگر بنو) اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ انسان خداوند عالم سے اپنا ربط و تعلق صحیح قائم کرے اس کے اوامر و احکام کی پابندی کرے اور ممنوعات و محظورات سے اجتناب کرے تو سارے اخلاق حسنہ کا مرجع اور مرکز قرآن حکیم ہے جو بات اور کام اس کے موافق ہے وہ خلق حسن اور امر صالح ہے اور جو بات اس کے خلاف ہے وہ خلق سوء اور برا عمل ہے۔ اس لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کان خُلُقُہُ القرآن (یعنی آپ کے اخلاق قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے) جو کچھ قرآن مجید میں اوامر خداوندی نازل کیے گئے آپ ان کا عملی نمونہ تھے۔ ان اوامر خداوندی میں اصل اصول اور اہم امور ارکان اسلام ہیں۔ یعنی توحید و رسالت کی شہادت۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور حج بیت اللہ جن کے مصالح اور منافع کا اجمالی بیان پہلے ہو چکا ہے۔ یہ تو اصلی روحانی نورانی غذا کے حکم میں ہیں جن کے بغیر انسانی ایمانی زندگی کسی طرح نشو و نما اور ترقی و عروج حاصل نہیں کر سکتی کیوں کہ یہ بندگی کے اصل مقتضیات ہیں۔ ان کے بعد درجہ بدرجہ باقی تمام اوامر خداوندی ہیں جن سے مقصود نوع انسانی کی اصلاح و درستی ہے۔ اور انسانیت کو اوج کمال پر پہنچانا ہے۔ اور ہر امر خداوندی انسانیت کا جزء لازم اور اصل خلاصہ ہے۔ انسان جس قدر اوامر سے آراستہ ہوگا اسی قدر مہذب شائستہ ترقی یافتہ ہوگا اور بارگاہ خداوندی میں مقرب اور مقبول ہوگا۔ اسی لئے اسلام کو دین فطرت کہا گیا ہے۔ اسلامی تمام امور انسان کی اصل فطرت کے صحیح ترجمان ہیں۔ فطری امور کو اوامر و احکام کا جامہ پہنا کر طاعت و عبادت

کے زمرہ میں داخل کیا گیا ہے اور عبادت کے دائرہ کو وسیع کیا گیا ہے تاکہ پوری انسانی زندگی عبادت و بندگی کے محاصرہ میں آجائے اور انسان کا کوئی کام بندگی کے خلاف نہ ہو۔

دین اسلام میں کسی قسم کی بھی تنگی اور دشواری نہیں ہے جو کچھ معمولی پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان سے مقصود بھی انسان کا تزکیہ و تہذیب اور انسانیت کی تکمیل ہے۔ ارشاد باری ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

نہیں کی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں تنگی لیکن ارادہ کرتا ہے وہ کہ تمہیں پاکیزہ بنائے اور اپنے انعام کو تم پر تمام فرمائے تاکہ تم شکر گذار بندہ بنو۔

اور ان پابندیوں میں بھی انسان کے فطری ضعف کا لحاظ رکھا گیا ہے اور پوری آسانی کی گئی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور دشواری کا ارادہ نہیں فرماتے۔

انسان کو بہرحال کسی نہ کسی نظام کی پابندی کرنی ضروری ہے انسانی زندگی بالکل آزاد کسی طرح نہیں رہ سکتی۔ پھر وہ اپنے مالک اور خالق کے مقرر کردہ فرستادہ فطری نظام کا پابند ہو کر خدا کا فرمانبردار مقرب بارگاہ کیوں نہ بن جائے؟ پھر پابندی کے لئے بھی وہ ملت مقرر کی گئی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ملت ہے جو تمام نبیوں کے مسلمہ امام ہیں تاکہ طبائع کو اس سے وحشت نہ ہو۔ ارشاد

ربانی ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

نہیں کی ہے تم پر دین میں کوئی تنگی۔ یہ وہی تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اسلام کے معنی اطاعت و انقیاد کے ہیں جس گروہ میں اللہ کی اطاعت و انقیاد ہو وہی مسلمان ہے۔ پھر بھی اگر دین اسلام سے اعراض و انحراف کیا جائے تو یہ سراسر کفر و طغیان اور خسران ہے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں خسارہ والوں سے ہے۔

"تزکیۂ نفس اور تہذیب یورپ"

تزکیہ نفس اور اقوام یورپ کی موجودہ تہذیب میں بالکل تضاد ہے۔ کیوں کہ تزکیۂ نفس کے لئے نفس کو شہوات و لذات و خواہشات سے باز رکھ کر اس کو خالق نفوس کا مطیع و منقاد بنانا ہے۔ اور اقوام یورپ کی موجودہ تہذیب و تمدن کی ساری بنیاد شہوات و لذات و خواہشات نفسانی پر قائم ہے۔ اور اسی کو اپنا مقصود زندگی اور معبود و مطلوب بنایا ہوا ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپین ممالک میں فحش و بے حیائی

اور بدکاری کو عروج فروغ ہے اور جس قدر اس تہذیب و تمدن میں ترقی ہوتی جائے گی اسی قدر ان برائیوں میں افزونی ہوگی۔ حتی کہ انسانوں اور چوپاؤں میں کوئی انسانی فرق باقی نہ رہے گا۔ کیوں کہ ترقی کا معیار ہی اسی کو قرار دیا ہوا ہے۔ معائب محاسن شمار کیے جاتے ہیں برائیاں خوبیاں سمجھی جاتی ہیں اور فحش و بیحیائی کے عروج و فروغ کو قومی عروج و فروغ قرار دیا ہوا ہے۔ جو قوموں کے انحطاط و ادبار کا انتہائی نقطہ اور آخری سرحد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین ممالک میں صنعت و حرفت کے تو جا بجا بڑے بڑے کارخانے نظر آئیں گے قسم قسم کی مصنوعات اعلیٰ سے اعلیٰ تیار کی جاتی ہیں لیکن انسان سازی کا کوئی کارخانہ کہیں کسی ملک میں ایک بھی نظر نہ آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کے اخلاق و عادات اور عبادات اور مذہبی رسومات کی غرض و غایت بھی انہی نفسانی لذات و خواہشات کی حدود میں محدود رہتی ہے۔ خدا پرستی و خدا ترسی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اس معاشرہ میں تصور اور وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہب عیسوی کے بنیادی عقیدہ توحید باری میں اس قدر سخت تحریف کر دی گئی ہے کہ دماغوں میں نہ ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کا تصور باقی رہا اور نہ اس کے ساتھ قلبی ربط و تعلق قائم رہا۔ پھر مذہب بھی ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری میں آگیا وہ اس میں جو چاہیں تغیر و تبدل کر سکتے ہیں اسی طرح عیسائی اکثریت اپنے خالق سے بھی بے گانہ ہو گئی اور اپنے مذہب سے بھی بے تعلق ہو گئی۔

اس عالمگیر دنیا کا مداوا مسلمان قوم کر سکتی تھی کیوں کہ اس ملت کو قائم اسی لئے کیا گیا ہے کہ روئے زمین پر انسانوں میں نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی رائج کرے اور نوع انسانی سے شر و فساد کا ازالہ کر کے اس کو پروردگار عالم کا مطیع و منقاد بنائے۔ ارشاد ربانی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔

مسلمانو! تم خیر امت ہو جسے انسانوں کے نفع کے لئے بنایا گیا ہے۔ تم انسانوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے باز رکھتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

مگر یہ خیر امت بھی مادی ترقیات سے اس قدر مرعوب ہو گئی کہ اس کو اپنے بھی ہوش نہ رہے کہ ہم کیا تھے اور کس مقصد عظمیٰ کے لئے بھیجے گئے تھے اور کیا کر رہے ہیں اور کس طرف جا رہے ہیں۔

اگر مسلمان قوم ہی صحیح راستہ پر استوار ہو جائے تو دیگر اقوام کا راہ راست پر آنا کوئی دشوار نہیں ہے۔ اس کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العزیز الحکیم۔

محمد احتشام الحسن

دار الاشاعت کاندھلہ۔ ضلع مظفر نگر (ہند)

۷ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

۲۵ فروری ۱۹۶۹ء